جس میں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی
روحِ امم کی حیات کشمکشِ انقلاب (علامہ اقبال)

فہرست مضامین

- بار اول اکتوبر ۱۹۸۶ء (۱۰۰۰)
- بار دوم ۱۴ جنوری ۸۷ء (۱۰۰۰)
- بار سوم ۳۰ اپریل ۱۹۸۷ء (۱۰۰۰) (مزید اضافہ جات کیساتھ)

علامہ اقبال اور فلسفۂ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ (وحدانیت)

دیکھنے کو تو "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" چار الفاظ ہیں اور بڑی آسانی سے کوئی یہ کہہ دے گا کہ اس کے معنی ہیں۔ "نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ" اس کا مطلب وحدانیت کا اقرار ہے۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ جہاں تک مطالب کی گہرائی اور عمل کا سوال ہے یہ ایک بحرِ بیکراں ہے اور ہر ایک کے لئے اس بیکراں سمندر کو پار کر کے بلا محنت و امتحان ساحلِ مراد تک پہونچنا اتنا آسان نہیں جیسا کہ ہر ایک نے سمجھ لیا ہے۔ وحدانیت کا زبان سے قرار کہ اللہ ایک ہے کر لینا کافی ہوتا تو یہ مسئلہ بھی بہت آسان ہو جاتا۔ لیکن یہاں تو قدم قدم پر امتحان اور عملی طور پر اقرار کا ثبوت دیتے ہوئے منزلِ مقصود جو بڑی مسافت کی ہوئی ہوتی ہے، پر پہنچنا ہے۔ ماضی اور حال میں یہ فرق ہے کہ ماضی میں اس مسئلہ میں قدم قدم پر قربانیاں اور امتحانات کی کٹھن منزلیں طے کرنی پڑتی تھیں۔ تو منزلِ مقصود ہاتھ آتی تھی۔ اور آج بلا عمل "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" کہہ دینا کافی سمجھ لیا گیا۔ اور ایک زبانی علم بنا کر رکھ دیا گیا ہے کہ صرف اس پر بحث کی جائے۔ علامہ نے اس بات کو کس قدر صحیح انداز میں سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے۔

آج کیا ہے فقط اک مسئلۂ علمِ کلام ٭ زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی

خود مسلمان سے پوشیدہ ہے مسلماں کا مقام ٭ روشن اس ضو سے اگر ظلمتِ کردار نہ ہو

وحدتِ افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام ٭ آہ اس راز سے واقف ہے نہ ملا نہ فقیہ

مسئلہ توحید لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ صرف ایک مسئلۂ علمِ کلام نہیں جس کو زبان سے حل کر لیا جا سکے بلکہ اس نے ہمیشہ عمل طلب کیا ہے اور اس عمل نے مسلمان کو اعلیٰ کردار عطا کیا ہے اس عمل کے میدانِ بے کنار کے راہی کو کبھی لق و دق خوفناک صحراؤں سے گزرنا ہوتا ہے تو کبھی پُر خار راہ سے جو بڑی صبر آزما اور کٹھن ہوتی ہیں۔ کبھی اس منزل کے مسافر کو وحدانیت کی گرم گرم ریت پر لٹا کر وحدانیت کا وزنی پتھر اس کے سینے پر رکھ دیا جاتا ہے تو بھی اس کے زبان سے لفظِ شکایت نہیں بلکہ صرف "احد ــــ احد" ہی نکلتا ہے۔ یہ مقام بلالیؓ کی منزل ہوتی ہے جو عرشِ الٰہی تک بندہ کو پہنچا دیتی ہے۔ اس لئے علامہ نے لَا اِلٰہَ کے بارے میں جاوید نامہ میں کہا ہے ؎

ایں دو حروف لا الٰہ گفتار نیست ؎ لا الٰہ جز تیغ بے زنہار نیست

اس کا مطلب بالکل صاف ہے کہ لا الٰہ محض گفتار کے دو حروف نہ سمجھ لئے جا
ایسی تلوار ہے جو کبھی خطا نہیں کرتی اور ایسی ضرب کاری لگاتی ہے کہ ــــــ

مثل کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی ؎ اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ ا

گویا یہ وہ تلوار ہے جو راستے کی سب رکاوٹوں کو کاٹ کر اور دل سے دنیا کے خو
کر اللہ تک پہنچانے کے راستے ہموار کرتی اور دل میں باقی رکھتی ہے تو صرف خوف
محبتِ الٰہی ۔

لا کے بظاہر معنی تو نہیں ہیں لیکن لا ایک شمشیر جگر دار ہے جو حضرت
کے ہاتھ میں آئی تو ہر مصنوعی معبود کا آپ نے اس شمشیر سے سر اُڑا دیا۔
ابراہیم علیہ السلام منزل کی تلاش میں تھے تو کبھی آفتاب کبھی ماہتاب کبھی تارے بہر حال
جو ظاہری چمک اور قوت کی حامل نظر آئی، دیکھ کر غور فرماتے کیا یہ میرا الٰہ
ہے ۔ پھر اس کو زوال پذیر ہوتے دیکھتے تو ہر مصنوعی معبود کا سر اس لا کی
اُڑا دیتے یعنی فرماتے لا (نہیں) لا الٰہ (یہ معبود نہیں) پھر منزلِ مقصود پر پہنچے
اللہ کی منزل بہ منزلِ یقین آئی اور جب آپ کی زبانِ مبارک سے نکلا لا ا
(نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ) جب سب مصنوعی معبودوں کے انکار کے بعد یعنی
تلوار سے مصنوعی معبودوں کے سر اُڑا کر ان کی جھوٹی عزت و ناموس کی ناک
کر منزلِ یقین و حقیقت الا اللہ کی منزل پر پہنچ گئے تو یہ منزل سب سے
کٹھن اور امتحانات لینے والی نکلی۔ چونکہ آپ نے ذاتِ واحد کا اقرار کر لیا ا
کی محبت کا دعویٰ کر دیا۔ اقرار و محبت کے دعویٰ کی دیر تھی کہ امتحانات کی خطرناک
صبر آزما منزلوں نے سامنے آکر صبر و سکون سے ان منزلوں کو طے کرنے کی دع
ہی نہیں دی بلکہ چیلنج دیا ۔ اس قدر طویل کشمکش کے بعد معبودِ حقیقی تک پہنچے
حقیقی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے امتحانات چاہے جو کبھی فرزند کی قربانی کی صورت
تھے تو کبھی نارِ نمرود کی شکل میں ایسی ہولناک خوفناک ناقابلِ بیان و ناقابل
آگ کہ جس کے شعلوں کی گرمی کوسوں کے فاصلے پر بھی آدمی کو ختم کر دینے کی
کی حامل تھی مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمان اور یقین کی گرمی کے سامنے یعنی الا اللہ کی گ

کے آگے نمرود کی اس آگ نے ہار مان لی اور حضرت ابراہیمؑ کے پائے استقلال اور یقین نے بحکم خدا اس آگ کو آپ کے لیے گلزار بنا کر منکرانِ خدا کو اِلَّا اللہ کا کرشمہ دکھا کر حیران و ششدر کر دیا۔ علامہ فرماتے ہیں۔ ؎

آج بھی ہو اگر ابراہیمؑ کا ایمان پیدا ؎ آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

بہرحال عملی امتحانات سے کوئی پیغمبر بھی نہ بچا نہ کوئی مردِ خدا۔ مردِ دنیا تو صرف زبان سے ہی سب منازل بزعمِ خویش طے کر کے اپنے آپ کو مردِ کامل سمجھ بیٹھے ہیں اور دراصل قلب میں کئی بت پندار بٹھا رکھتے ہیں۔ علامہ اس لئے فرماتے ہیں:۔

زباں سے کہہ گیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل ؎ بنایا ہے بُتِ پندار کو اپنا خدا تو نے

مردانِ خدا کے لئے تو امتحانات کا یہ حال تھا کہ آرے سے سر تا پا چیر دیا گیا اور حکم ذریعہ جبرئیلؑ پہنچا کہ زبان سے اُف بھی نکلے تو نبوت کی فہرست سے نام خارج کر دیا جائے گا۔ تعمیلِ حکم میں سر تا پا جسمِ مبارک دو ٹکڑوں میں کٹ کر رہ گیا مگر زبان سے لفظ "اُف" نہ نکلا البتہ خون کا ہر قطرہ اپنی زبان سے اِلَّا اللہ پکارتا رہا۔ کبھی عملی ثبوت کے امتحان کی منزل اس انداز سے آئی کہ مچھلی کے پیٹ میں برسوں رہ کر لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ جس کی ذات پاک ہے۔ بیشک میں قصوروار ہوں "ظالمین میں سے ہوں) کہہ کر اللہ کے یقین کا ثبوت دینا پڑا۔ کبھی شعیب کی گھاٹیوں میں تین سال بے آب و دانہ مقید رہ کر یہ ثابت کیا گیا کہ بطورِ علم وحدانیت کا اقرار اور ہے اور فقر کے میدان میں عمل کے ذریعہ وحدانیت کے اقرار میں ضربیں کھانا اور ہے۔ علامہ فرماتے ہیں۔ ؎

علم کا موجود اور فقر کا موجود اور ؎ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ

کبھی پُرخار منزلوں سے گزر کر کبھی وطن سے نکل کر ہجرت کے مصائب سے ہمکنار ہو کر لَا کی تلوار سے مصنوعی معبودوں کے سر جنگِ بدر و احد و جنگِ خندق وغیرہ میں کاٹ کر اِلٰہ کا اعلان کرنا پڑا۔ علامہ نے اس طرح اس وقت کا اور آج کے دور کا تقابل کیا ہے۔

نہادِ زندگی میں ابتداء لَا انتہا اِلَّا ؎ پیامِ موت ہے جب لَا ہوا اِلَّا سے بیگانہ
وہ ملت روح جس کی لَا سے آگے بڑھ نہیں سکتی ؎ یقیں جانو ہوا لبریز اس ملت کا پیمانہ

آجکل بس یہی ہو رہا ہے کہ ملت کا پیمانہ لبریز ہو کر رہ گیا ہے۔ علامہ بہت غمناک

ہیں کہ اب مسلمانوں کے ہاتھ لا کی شمشیر نہیں رہی بلکہ تہذیب حاضر نے شمشیر لا ان کے ہاتھوں سے چھین کر لا کی شراب سے مسلمانوں کی زندگی کا شیشہ لبالب بھر دیا ہے اور تہذیب نو (جن سے مدرسۂ دنیوی کے معلم اور مدارس دینی کے نام نہاد مرشد و علما مراد ہیں) نے خود جن کے ہاتھوں الا کا پیمانہ نہیں ہے۔ لا کی شراب سے قوم کو بدمست بنا رکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ؎ لبالب شیشۂ تہذیب حاضر ہے مے لا سے، مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیمانہ الا
جب یہ عہد رسالت مآب سینے الا اللہ کی گرمی سے گرما کر منور ہو گئے اور جب اللہ کو مان لیا تو اس کے رسول سے ماننے والوں نے اللہ کی حقیقت اور تعریف جاننی چاہی تو حکم الہٰی ہوا پیغمبر کہ کہہ دو۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ﴿۳﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾

(اے پیغمبر) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے، اس نے کسی کو جنم دیا اور نہ کسی نے اسے جنم دیا اور کوئی اس کے برابر نہیں۔)

اب قل ھو اللہ کی شمشیر نے مومنوں کے سینوں کو بے داغ بنا ڈالا۔ سینے میں جتنی نا واجبی منشاء الہٰی کے خلاف خواہشات تھیں سب کو کاٹ کر ختم کر دیا اور مومن کے سینے قل ھو اللہ کی تلوار کے نیام بن گئے اور تجلی الہٰی سے روشن اور بلحاظ کردار بے داغ ہو کر منور ہو گئے۔ مگر علامہ فرماتے ہیں کہ اے رسول پاک ؐ آپ کی امت کہلانے والوں کے سینے اب ؎

میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے
قل ھو اللہ کی شمشیر سے خالی ہے نیام

علامہ اقبال نے قل ھو اللہ کے نورانی وحدانیت سے لبریز سورہ کی ہر آیت پر رموز بیخودی" میں ذریعہ اشعار تفسیر فرمائی ہے۔ قل ھو اللہ احد پر (۱۸) اشعار اللہ الصمد پر (۵۰)، لم یلد ولم یولد پر (۲۵)، ولم یکن لہ کفوا احد پر (۲۳) اشعار کے ذریعہ جو حقائق آشنا تفسیر روح پرور انداز سے بیان کی ہے اس کا مطالعہ ہر مومن کیلئے باعث سعادت اور تقویت ایمان کا موجب ہے اور پھر امت کیلئے رہبری بغرض ترقی بھی فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر قل ھو اللہ احد (حصہ سوم)

ضرب کلیم میں لا الہ الا اللہ کے عنوان سے علامہ نے جو اشعار لکھے ہیں اس میں

فرماتے ہیں۔ یہ دور اپنے ابراہیم کی تلاش میں ہے۔ اگر ابراہیمؑ اس دور کو میسر آجائے تو صنم کدوں میں لا الٰہ الا اللہ کا راج ہو جائے گا۔ یہ مال و دولت دنیا کی یہ دینوی رشتے و تعلقات جو تجھے اللہ سے ہٹا کر فریبِ سود و زیاں کے امتیاز سے محروم کر رکھے ہیں۔ پھر لا الٰہ الا اللہ اپنا کام کر دکھائے گا تو تمہ فصلِ گل و لالہ کا پابند رہے گا۔ اور نہ ہی بہار و خزاں کے امتیاز سے تو متاثر ہو سکے گا۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ کے دور میں ایک جماعت بغلوں میں بت لئے کھڑی تھی اور بغلوں سے بت گر گئے آج بھی ایسی جماعت اپنے آستینوں میں بت لئے آئی ہے تو آنے دو۔ "مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ" جب میں اپنا فرض انجام دوں گا تو یہ بت آنے والوں کے آستینوں سے خود بخود گر جائیں گے ؎

باطل دوئی پسند ہے حق لا شریک ہے ۞ شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

علامہ آجکل کے مسلمانوں سے جو زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہنے کو کافی سمجھتے ہیں یوں مخاطب ہیں۔ ؎

مسلماں ہے توحید میں گرمجوش ۞ مگر دل ہے ابھی تک زنار پوش

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے ۞ ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

وہ رمزِ شوق کہ پوشیدہ لا الٰہ میں ہے ۞ طریقِ شیخ فقیہانہ ہو تو کیا کہیے

حریفِ نکتۂ توحید ہو سکا نہ حکیم ۞ نگاہ چاہیئے اسرار لا الٰہ کے لئے

علامہ مدرسہ کی تعلیم سے جو فرنگی انداز میں ہوتی ہے اور جو مذہب سے دور کرتی ہے بیحد نالاں ہیں۔ فرماتے ہیں:-

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے ترا ۞ کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

پھر اس تعلیم کے بارے میں فرماتے ہیں اگر تیرے قلب کے آئینہ میں تیری فطرت میں اگر لا الٰہ ہے تو

جوہر میں لا الٰہ تو کیا خوف ۞ تعلیم ہو گر فرنگیانہ

علامہ نے "رموزِ بے خودی" اور مسافر میں لا الٰہ کی حقیقت کو اس طرح اجاگر کیا ہے۔

ملت بیضا تن و جاں لا الٰہ ۞ ساز ما را پردہ گرداں لا الٰہ

از ضمیرِ کائنات آگاہ اوست ۞ تیغِ لا موجود الا اللہ اوست

اب علامہ لا الٰہ الا اللہ کے مطالب کی گہرائیوں میں اور اتر جاتے ہیں اور اس طرح سمجھاتے ہیں:

بر سر ایں باطلِ حق پیرہن ۞ تیغِ لا موجود الا ھو بزن

نفی ہستی اک کرشمہ ہے دلِ آگاہ کا ٭ لا کے دریا میں نہاں موتی ہے الا اللہ کا

نکتہ می گویم از مردانِ حال ٭ امتاں را لا جلال الا جمال

زیستن با سوز و ساز او قہاری است ٭ لا الٰہ ضرب است و ضرب کاری است

یعنی اے لا الٰہ کے وارث! یہ دنیا جو درحقیقت باطل ہوتے ہوئے ظاہر ہونے کا دھوکہ دیتی ہے یعنی معدوم ہوتے ہوئے ظاہر کا فریب دیتی ہے تو اس باطل کے سر کو لا موجود الا اللہ کی شمشیر سے اڑا دے تاکہ حق ہی حق رہ جائے۔ اے مردانِ حال! میں تیرے سامنے ایک نکتہ لا الٰہ الا اللہ کا بیان کرتا ہوں غور سے سن کہ لا کیفیتِ جلال پیدا کرتا ہے اور الا کیفیت جمال سے ہمکنار کرتا ہے۔ جب انسان لا الٰہ کہتا ہے (نہیں ہے کوئی معبود) تو زندگی میں سوز اور فکر پیدا ہو جاتی ہے۔ اور الٰہ کی تلاش میں مثلِ ابراہیم علیہ السلام نکل پڑتا ہے۔ اور جب الا اللہ کہتا ہے تو یہ الا کیفیتِ جمال کے جلوے دکھاتا ہے۔

علامہ مومن کی تعریف یوں فرماتے ہیں:۔ ؎

مردِ سپاہی ہے وہ اس کی زرہ لا الٰہ ٭ سایۂ شمشیر میں اس کی پناہ لا الٰہ

لا الٰہ سرمایۂ اسرارِ ما ٭ رشتہ اش شیرازہ افکارِ ما

پھر قوم سے افسوسناک انداز سے یوں مخاطب ہیں:۔

اے لا الٰہ کے وارث باقی نہیں ہے تجھ میں ٭ گفتارِ دلبرانہ کردارِ قاہرانہ

تری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے ٭ کھویا گیا ہے تیرا جذبِ قلندرانہ

یہ بندگی خدائی وہ بندگی گدائی ٭ یا بندۂ خدا بن یا بندۂ زمانہ

آخر میں علامہ اقبال جہاں میں یگانہ و یکتہ رہنے کا راز اس طرح بتلاتے ہیں۔

رہے گا تو ہی جہاں میں یگانہ یکتا
اتر گیا جو ترے دل میں لا شریک لہٗ

اس کے برخلاف صرف دکھلانے ہی کو اللہ اللہ تو پکار رہا ہے اور درحقیقت تری نگاہ میں تیرے اعمال سے اللہ کا وجود ثابت نہیں ہو رہا ہے تو تیرا وجود تسلیم کرنے سے مجھے انکار ہے

تری نگاہ میں نہیں خدا کا وجود ٭ مری نگاہ میں ثابت نہیں وجود ترا!

وہ میری نگاہ" سے علامہ کی مراد دنیا کی نگاہ ہے کہ دنیا کی نگاہ میں اس انداز کا مسلمان وجود رکھتے ہوئے عدم وجود کا شکار ہو کر ذلیل و خوار ہو رہا ہے۔ اور اس وقت تک عدم وجود کا شکار رہے گا جب تک کہ اپنے عمل سے خدا کا وجود تسلیم نہ کر لے۔

علامہ اقبالؒ کا دوسرا نسخۂ شفا بیمار اُمت کے لئے

علامہ اقبالؒ اور فلسفۂ محمد الرسول اللہؐ (وفائے محمدؐ)

وفائے رسالت

مسلمان صرف لا الٰہ الا اللہ کہہ کر اور مان کے ہرگز مسلمان نہیں بن سکتا۔ جب تک وہ ساتھ ہی محمد رسول اللہ زبان سے کہہ کر دل سے نہ مان لے۔ آجکل جس طرح لا الٰہ الا اللہ بقول علامہ اقبالؒ ایک مسئلہ علم کلام بنا کر رکھ دیا گیا ہے اسی طرح محمد الرسول اللہؐ بھی صرف ایک مسئلۂ علم کلام بن کر رہ گیا ہے۔ مسلمان یہ بھول گیا ہے کہ محمد الرسول اللہ کہنے اور دل سے ماننے کا راز فلسفۂ وفا محمدیہ اندار عمل کر دکھانے میں ہی مضمر وہ پوشیدہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی اُمت سے مخاطب ہو کر "جب تک تم مجھے اپنے مال اولاد اور اپنی جان سے زیادہ چاہنے لگو گے تمہارا ایمان مکمل نہ ہوگا" اس حقیقت کو بھی دنیا نے دیکھ لیا کہ جب اس حدیث پر عمل کر کے مسلمان کا ایمان مکمل ہو گیا تو اس کی منزل مہ و پرویں کی امیری ہو گئی۔ صحابہ اکرامؓ اور جن جن نے اس حدیث پر عمل کیا مومن کامل بن کر دنیا کو اس بات کا ثبوت دے دیا کہ ــــــ

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث

پھر ایک دور آیا کہ عشق محمدؐ ایک مسئلہ علم کلام بن کر ہمارے لئے بحث کا ایک موضوع بن کر رہ گیا۔ مسلمان نے عشق محمد کا حق بذریعہ مال اور عمل ادا کرنے کے بجائے لذیز پکوان اور میلاد النبیؐ کے موقع پر برقی روشنی کا سہارا لیا۔ اور زبان اور قلم کی تمام قوتوں کو عشق محمدؐ کے اظہار کیلئے وقف کر دیا۔ عالموں نے ممبر پر بیٹھ کر آنکھوں میں آنسو لا کر رقت آمیز آواز بنا کر عشق محمدؐ کی ضرورت پر اپنے اعمال سے نہیں بلکہ زبان سے بے حد زور دیا۔ شاعروں نے عشق محمدؐ کو موضوع بنا کر رسول اللہ کی مقدس ذات کو سراپا حسن بتلا کے زلفوں، سرگیں آنکھیں، قد و قال کی تعریف کر کے آپکی کمبل اور چٹائی کا ذکر کر کے سمجھا کہ اس نے اپنا حق ادا کر دیا اور عام مسلمانوں نے مسجدوں میں بعد نماز فجر و جمعہ اور گھروں میں بعد میلاد روحی فدا" اھلی فدا، قلبی فدا جھوم جھوم کر پڑھ کے اور دیگر دیگی محفلیں رنگ کر بہ محرم تو یقین عشق رسول کا حق ادا کرنے کا دعویٰ کر دیا۔ باوجود اس کے دنیا کی نظروں میں ذلیل و خوار ہوتے رہے۔ حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے بیمار اُمت کی نبض پر ہاتھ رکھا اور مریض کے مرض

کی تشخیص کی اور دوا تجویز کی کہ عشقِ محمدؐ کے دعوے کی تکمیل کیلئے عملی وفاِ محمدؐ کی ضرورت لاحق ہے اس لئے علامہ نے جوابِ شکوہ میں "وفاِ محمدؐ" کا نیا محاورہ اپنے تمام کلام میں وفاِ محمدؐ کا فلسفہ بیمارِ امت کے سامنے بطور نسخۂ شفا پیش کیا اور قطعی فتویٰ دے دیا کہ عشقِ محمدؐ کے دعوے لاحاصل ہیں جب تک اس دعوے پر "وفاِ محمدؐ" کی مہرِ صداقت ثبت نہ کی جائے جو زبانی نہیں بلکہ ذریعہ عمل ہو۔

محبت تو ہمیشہ وفا کی دلیل چاہتی ہے ۔۔۔۔۔۔ محمدؐ سے وفا کی تعریف یہ ہوگی احکامِ محمدیؐ کو عام اور سنتِ محمدیؐ کو ذریعہ عمل زندہ رکھا جائے اور اس سلسلہ میں جو تکالیف کا سامنا ہو تو اس کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا جائے ورنہ عشقِ محمدؐ زبان سے بے حد آسان ہے مگر "وفا" جو عمل کی طالب ہے بیحد مشکل ہے اس کے لئے تو بقول علامہ اسلاف کا قلب و جگر ڈھونڈ کر لانا ہوگا علامہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وفاِ محمدؐ کے ایک واقعہ کا بانگِ درا میں یوں ذکر کرتے ہیں۔ ۔۔۔۔۔

ایک دن رسولِ پاکؐ نے اصحاب سے کہا ؛ دیں مال راہِ حق میں جو ہوں تم مالدار

حضرت عمرؓ نے نصف مال اہل و عیال کیلئے رکھا اور نصف مال اللہ کی راہ میں نذر کرنے دربارِ رسالتؐ میں لئے حاضر ہوئے یہ عمل بھی بالکل ٹھیک تھا مگر بقول علامہ ع

ایثار کی ہے دست نگر ابتدائے کار ۔۔۔۔۔ اتنے میں رفیقِ نبوت جس سے عشق و محبت کی بنا تھی استوار یعنی صدیقِ اکبرؓ بھی دربارِ رسالت میں حاضر ہوگئے اور ۔۔۔۔۔

لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت ؛ ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار
ملکِ یمین و درہم و دینار و رخت و جنس ؛ اسپِ قمر سم و شتر و قاطر و حمار
بولے حضورؐ چاہیئے فکرِ عیال بھی ؛ کہنے لگا وہ عشق و محبت کا رازدار
پروانہ کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس ؛ صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس

یہ تھا اسلاف کا قلب و جگر اور یہ ہے فلسفہ وفاِ محمدؐ کی تفسیر پھر علامہ فرماتے ہیں قلب و جگر اسلاف کے دیکھنا ہو تو بلالِ غلامِ حبشیؓ کو دیکھو کہ آزادی بھی کہہ اٹھے کہ اے غلامِ حبشی تیری غلامی کے صدقے ہزار آزادی ۔ حبش کا غلام بلالؓ ۔۔۔۔ دنیا کے تمام ماضی و حال کے ذی اقتدار شہنشاہ کیوں نہ اس کے قدموں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بنالیں ۔ جس کی زندگی سراپا "وفاِ محمدؐ" کی تفسیر رہی ۔ وفاِ محمدؐ کا ثبوت زبان سے نہیں بلکہ مصائب اٹھا اٹھا کر عملی انداز سے دیا اور ثابت کر دیا کہ ۔۔۔۔

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں ؛ ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزہ ہی نہیں
جس کا امیں ازل سے ہو سینۂ بلالؓ ؛ محکوم اس صدا کے ہیں شاہنشہ و فقیر

لیکن بلالؓ حبشی زادۂ حقیر :: فطرت تھی جس کی نورِ نبوت سے مستنیر
ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز :: صدیوں سے سن رہا ہے جسے گوشِ چرخِ پیر
اقبالؔ کس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے :: رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے

بہر حال علامہ اقبالؔ کا سوائے اس کے کوئی فتویٰ ہی نہیں ہے کہ محمدؐ سے اگر قوم وفا کرے یعنی تعلیماتِ محمدیؐ پر عمل کرے تو خالدؓ جانباز حیدرؓ کرار کی تو تیں قوم کے بازو میں آجائے گی۔ فاروقؓ کا انصاف اور عدالت قوم کا شیوہ صدیقؓ کی صداقت قوم کا معیار بن جائے گا۔ رسولؐ خدا صداقت کا شہر ہیں اور صدیقؓ اس شہر کا دروازہ ہیں ــــ رسول اللہؐ عدل و انصاف کا شہر ہیں اور فاروقؓ اس شہر کا دروازہ ہیں۔ نبی آخر الزماں شرم و حیاء و غنا کا شہر ہیں اور عثمانؓ اس کا دروازہ ہیں۔ رسولِ برحق علم کا شہر ہیں اور علی مرتضیٰؓ اس علم کے شہر کا دروازہ اور رسولِ برحق بہادری، شجاعت اور تدبّر کا شہر ہیں اور سیف اللہ خالدؓ جانباز اس بہادری کے شہر کا دروازہ ہیں۔ یہ تمام دروازے اُمتِ محمدیؐ کے لئے کھل جائیں گے۔ مگر اس کے لیے محمدؐ سے وفا کی شرط اور ضرورت ہے۔ علامہ فرماتے ہیں اے قوم اگر تو نے محمدؐ سے وفا کی تو ــــ ع

لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا۔

علامہؔ کا قوم کو ایک ہی سبق ایک ہی پیام ہے کہ زبان کی محبت کافی نہیں، عملی طور پر وفا لازم ہے۔ محمدؐ سے وفا میں امتِ محمدیؐ سے محبت اور اس کی اصلاح کا جذبہ تعلیماتِ محمدیؐ کو عام کرنے کی کوشش اور قوم کے ہر فرد کا قلب اُمتِ محمدیؐ کی آبرو سے لبریز رہنا شامل ہے۔ "حضورِ رسالت مآب" کے عنوان کے تحت بانگِ درا میں علامہؔ نے گیارہ اشعار لکھے ہیں کہ جب وہ دنیا سے رخصت ہوئے تو فرشتوں نے انہیں دربارِ رسالت میں لے جا کر پیش کر دیا تو حضورؐ نے پوچھا۔

نکل کے باغِ جہاں سے برنگِ بو آیا :: ہمارے واسطے کیا تحفہ لے کے تو آیا

تو اقبالؔ نے عرض کی حضور (صلعم)

مگر میں نذر کو اک آبگینہ لایا ہوں :: جو چیز اس میں ہے جنّت میں بھی نہیں ملتی
جھلکتی ہے تری اُمت کی آبرو اس میں :: طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

علامہؔ کے پاس اُمت کی ہر بیماری کا علاج وفا محمدؐ ہی میں موجود ہے۔ اگر وفا محمدؐ عملی ہو گی تو احکامِ حق کی بے وفائی بھی قوم سے ہرگز نہ ہو گی اور ملک و خلافت کی ہوس احکامِ الٰہی کے خلاف نہ رہے گی اور قوم کا ہر فرد پکارے گا۔ ــــ

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے جائے ؛ تو احکام حق سے نہ کر بے وفائی
نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا؟ ؛ خلافت کی کرنے لگا تو گدائی

تاریخ سے آگہی کے تعلق سے "محاصرۂ ادرنہ" کے عنوان سے بانگ درا میں یورپ
اس جنگ کا تذکرہ آٹھ اشعار میں کرتے ہیں کہ یورپ میں حق و باطل کے سلسلے سے غلامانِ محمدؐ
اہل باطل سے چھڑ گئی تو مسلمانوں کے پاس غذائی ذخیرے ختم ہو گئے اور جب غلامانِ محمدؐ
ذمی کے مال ذخیروں پر صرف نظر ڈالی ہی تھی کہ فقیہ شہر نے ——

لیکن فقیہ شہر نے جس دم سنی یہ بات ؛ گرما کے مثل صاعقۂ طور ہو گیا
ذمی کا مال لشکر مسلم پہ ہے حرام ؛ فتویٰ تمام شہر میں مشہور ہو گیا

ادھر غلامانِ محمدؐ کا بھوک سے بُرا حال تھا اور اس بھوک میں بھی جنگ جاری تھی مگر

چھوتی نہ تھی یہود و نصاریٰ کا مال فوج ؛ مسلم خدا کے حکم سے مجبور ہو گیا

یہ ہے وفا محمدؐ کا فلسفہ اور وفا محمدؐ کا نمونہ اور اس عمل کے کامیابیاں خود قدم چ
آتی ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں کہ اس خاکی انسان میں خدا نے عجیب لچک رکھی ہے کہ صرف عمل ہی
اس کی زندگی بنتی اور بگڑتی ہے۔ وہ نوری اور ناری مخلوق سے بالکل مختلف ہے۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی ؛ یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

جس انسان کا معیار عمل پر منحصر ہے تو "وفا محمدؐ" کا معیار بھی عمل ہی پر ہوگا نہ کہ زبانِ
قلبی فداہ روحی فداہ یا رسول اللہ کہنے سے وفا ممکن نہیں ہے۔ محمدؐ سے وفا کرنے والے مومن کی شان
یہ ہوتی ہے ——

کیا کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا ؛ نگاہِ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

محمدؐ سے وفا کرنے والوں کے زورِ بازو کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ——

تو ہی کہہ دے کہ اکھاڑا درِ خیبر کس نے ؟ (اشارہ حضرت علیؓ کی طرف)

محمدؐ سے وفا کرنے والوں کی نگاہ سے تقدیریں بدل جانے کا جہاں تک سوال ہے تار
اس امر کی بھی گواہ ہے کہ فاروق اعظمؓ مدینہ منورہ میں ممبر پر کھڑے جمعہ کا خطبہ دے رہے ہیں اور
وہاں سے ہزاروں میل کے فاصلے پر یعنی مقام "نہاوند" واقع ملکِ عجم میں دشمنانِ خدا سے جہاد
میں اسلامی فوج پر ہیں۔ اسلامی لشکر شکست کھانے کو ہے دوران خطبہ اس مجاہد سے وفا
کرنے والے غلام کی تین مرتبہ آواز بلند ہوتی ہے "ساریہ" یعنی پہاڑ کی طرف جاؤ اور

پہاڑ کی طرف پیٹھ کر کے جنگ کرو۔" خطبہ سننے والے درمیان میں آپ کے ان الفاظ پر پریشان ہیں۔ چند ہی دن میں سپہ سالار لشکر اسلام کا خط فتح کی خوشخبری کا اس تفصیل کے ساتھ آتا ہے کہ اسلامی فوج میں شکست کے آثار نمایاں ہو چکے تھے کہ ہم نے امیر المومنین کی آواز سُنی جس میں ہدایت دی گئی کہ پہاڑ کا سہارا لے کر جنگ کرو۔ ہم نے تعمیل حکم کیا اور ہماری شکست فتح میں بدل گئی۔ یہ تھی مرد مومن کی نگاہ کی قوت جس نے ہزاروں میل کے فاصلے پر رہ کر تقدیر بدل دی۔ یہ نگاہ جو فاروق اعظمؓ نے پائی تھی، محمدؐ سے وفا کا نتیجہ تھی۔ زبانی نہیں عملی وفا کا۔

علامہ فرماتے ہیں محمدؐ سے وفا کرنے کیلئے نہ مستیٔ احوال کی ضرورت ہے نہ مستیٔ گفتار کی صوفی کی طریقت میں فقط مستیٔ احوال اور ملا کی شریعت میں فقط مستیٔ گفتار ہی رہ گئی ہے اور شاعر تو صرف الفاظ کے زیر و زبر تک قدا کر حق ادا کرنا چاہتا ہے محمدؐ کی وفا کا حق ادا کرنے کے لئے صحابہ کی طرح مستیٔ کردار کی ضرورت ہوتی ہے، فرماتے ہیں ـــــ

وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو ✽ ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیٔ کردار

اس مرد کامل مرد خدا مرد مجاہد جس کی رگ و پے میں مستیٔ کردار ہو اور مستیٔ کردار کے ساتھ محمدؐ سے وفا کا حق ادا کرے تو اللہ پاک فرماتے ہیں ـــــ

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں ✽ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

جب لوح و قلم ہی محمدؐ سے وفا کرنے والوں کے ہاتھ آجائیں تو تقدیریں محمدؐ کے غلام جب چاہیں قوت بازو سے بدل ڈالیں یا اپنی نگاہِ مومنانہ سے مگر شرط اولیں و آخریں اس کے لئے ہے "وفا محمدؐ" ذریعہ زبان و قلم نہیں بلکہ ذریعہ عمل۔

اس کے بعد کی منزل مسلمان پر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے کے بعد اللہ کے احکام کی پابندی اور وفا محمدؐ کا ثبوت اللہ پاک کے اس حکم کی تعمیل کر کے دینی پڑتی ہے کہ

دہر میں اسمِ محمدؐ سے اجالا کر دے

بیمار اُمت کیلئے حکیم الامت علامہ اقبالؒ کا تیسرا نسخہ کیمیا

دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کردے

[ذریعہ اتباعِ رسولؐ]

اللہ پاک کا عموماً اپنے ہر بندے اور خصوصاً بندۂ مومن سے ارشادِ عالی ہو رہا ہے

"دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کردے"

چونکہ ذاتِ محمدیؐ دراصل کائنات کا وہ پھول ہے کہ:

ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو ⁂ چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو

مگر جس بات کو سمجھنا ہے وہ یہ ہے کہ دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کرنے سے کیا مراد ہے؟ اس سے ساری دنیا میں اُجالا کیسے ممکن ہے؟ اسمِ محمدؐ سے دہر میں اُجالا کرنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس نادالوجود پھول کی خوشبو سے آشنا کیا جائے۔ یعنی تعلیماتِ محمدیؐ کو عام کرنے پر پوری توانائیاں صرف کردی جائیں۔ ساقیِ توحید نے جو شرابِ توحید قرآن اور شریعت کے جام میں بھر کر اپنی اُمت کو پلائی اور روحانی، جسمانی اور دینی و دنیوی سربلندیوں و ترقیوں کی پرواز کیلئے جو مستی کردار اُمت کو عطا فرمائی ہے تو اس مئے توحید کی لذت اور اس کی مستیٔ کردار سے عالم کو آگاہ و باخبر کیا جائے۔ جہاں تک اس ساقیِ بزمِ توحید کا تعلق ہے اس بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ صاف اور واضح ہے کہ:-

یہ نہ ساقی ہو تو پھر مئے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو ⁂ بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو

خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے ⁂ نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

تپش اندوز ہے اس نام سے پارہ کی طرح ⁂ غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح

دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کردے کا مطلب یہی ہو گا کہ مئے توحید کے ساقیؐ نے شرابِ توحید و مئے شریعتِ اسلام کے جام میں لبالب بھر کر اپنی پیاری اُمت کو عطا فرمائی اس پیمانۂ توحید و جامِ شریعت کو ہمیشہ دہر کی محفل میں گردش میں رکھا جائے۔ شریعت پر عمل کرنے سے ملت کی سیرت و کردار میں کس طرح پختگی پیدا ہوتی ہے اس کو اقبالؒ نے اپنی فارسی معرکۃ الآرا کتاب "رموزِ بے خودی" میں "پختگی سیرت ملیہ از اتباعِ آئینِ الٰہیہ است" کے عنوان سے دو بند لکھے ہیں۔ جو (۴۲) اشعار پر مشتمل ہیں جو نہ صرف

و بلاغت کے اعتبار سے وجد میں ایک مومن کو لاتے ہیں بلکہ معنوی اعتبار سے ایک روحانی وجد کی کیفیت طاری کرتے اور عمل کی طرف راغب کرتے ہیں۔ ابتدا اس طرح فرماتے ہیں۔

در شریعت معنیٔ دیگر مجو :: غیر ضو در باطنِ گوہر مجو

این گہر را خود خدا گوہر گر است :: ظاہرش گوہر بطونش گوہر است

علامہ اقبال ان لوگوں کو جو شریعت محمدی کے بارے میں غلط فہمی پھیلاتے ہیں کہ شریعت محمدی کا ظاہری پہلو اور ہے اور باطنی پہلو اور ہے۔ یاد کر رہے ہیں کہ شریعت محمدی جس کو دہر میں عام کرنا ہے۔ اے مسلمان! شریعت آقائے نامدار صلعم کے ظاہری و باطنی معنی ایک ہی ہیں تو دوسرے باطنی معنوں کی تلاش میں نہ خود گمراہ ہو اور نہ ملت کو گمراہ کر۔ اس بات کو سمجھانے علامہ گوہر کی مثال دیتے ہیں اور پوچھتے ہیں کیا گوہر کا ظاہر اور باطن الگ ہو سکتا ہے اور کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ گوہر کے ظاہر پر مت جاؤ بلکہ باطن پر نظر رکھو۔ جب ہر ایک جانتا اور تسلیم کرتا ہے کہ گوہر کا ظاہر و باطن ایک ہی ہے تو کس طرح شریعت محمدی کا گوہر جس کو خدا نے بنایا ہے اور مصطفےٰ نے لایا ہے اس کے ظاہری اور باطنی معنی الگ ہو سکتے اور "معنی دیگر" اس کے تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ یہ خوبصورت مثال دے کر علامہ شریعت کے سلسلے میں امت کے ذہن سے اختلافات اور غلط فہمی کو دور فرما کر یہ سبق دے رہے ہیں کہ شریعت محمدی پر عمل بغیر اعتراض کرو چونکہ ۔۔

علمِ حق غیر از شریعت ہیچ نیست :: اصلِ سنت جز محبت ہیچ نیست

یعنی اللہ تعالیٰ کا علم شریعت ہی سے مراد ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں اور سنت محمدی پر وہی شخص عمل پیرا ہو سکتا ہے جو ذات رسالت مآبؐ سے حقیقی محبت رکھتا ہے۔ گویا سنت محمدی پر عمل کرنا اور اس کو عام کرنا صرف عاشقان رسولؐ باعمل کا کام ہے جو زبان سے نہیں بلکہ عملاً محمدؐ کی ذات اور صفات سے محبت رکھتے اور اس پر خود بھی عمل کرتے اور دہر کو نورِ صفات محمدی سے روشن کر کے دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ شریعت محمدی سے گریز کو علامہ دینی و دنیوی ترقیوں سے دور ہو جانا اور قلبی روحانی اور دینی افلاس اور تباہیوں سے ہمکنار ہونا قرار دیتے ہیں اور شریعت کی پابندی کے لئے کامل یقین اور عمل آہن کو لازمی ضروری قرار دیتے ہیں۔

شریعت محمدی کو علامہ ایک ایسی شمع سے تعبیر کرتے ہیں جو اپنی روشنی سے راہ

بتلاتی ہے۔ اس صحیح شریعتِ محمدیؐ کی روشنی میں جو راستہ نظر آتا ہے تو اس راستے کو طریقت
اور اسی راہ طریقت کی آخری منزل حقیقت ہے۔ علامہ ان لوگوں کے فتنہ سے اُمتِ محمدی ک
کرتے ہیں۔ شریعت، حقیقت و طریقت کے نام پر خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کر
کہ یہ تینوں علحدہ چیزیں ہیں۔ علامہ کا فتویٰ ہے کہ شریعت ہی سب کچھ ہے۔ اسی کو دنیا پر
کرنے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے۔ جس کا ظاہر اور باطن بالکل ایک ہے۔ اس عمل سے دینِ
محمدؐ سے اُجالا لایا جا سکتا ہے۔

پھر علامہ "حسنِ سیرت بلیہ انہ تادّب باآداب" یعنی حسن سیرت کا انحصار خلقِ
محمدیؐ کی پیروی میں ہے کہ عنوان سے رموزِ بیخودی میں تین بند لکھے ہیں جو (۴۳) اشعار
ہیں۔ اس کے قبل عنوان پر علامہ نے شریعتِ محمدیؐ کی پابندی پر بحث کی تھی اور یہ سمجھایا تھا
شریعتِ محمدیؐ کی پابندی کردار کو پختہ بنا دیتی ہے۔ اب موجودہ عنوان پر علامہ فرماتے ہیں
شریعتِ محمدیؐ کی پابندی کردار کو پختہ بنا سکتی ہے لیکن ایک بندۂ مومن میں جو کشش چاہیئے و
حضور محمدؐ مصطفٰے صلعم کے حسنِ سیرت کو اپنانے کے بعد ہی ممکن ہے۔ مقبولیت اور نورِ نظر ہ
ہونے کی خواہش ہو تو یہ بغیر سنتِ محمدیؐ کو اپنائے تکمیل کو نہ پہنچے گی اور نہ جاتی جا
ملے گی۔ سنتِ محمدیؐ کے سینکڑوں اعلیٰ نمونوں میں سے ایک اعلیٰ نمونہ صدیوں کے گزر جانے
دنیا کے پیشِ نظر ایک ناقابلِ فراموش یاد کی صورت میں موجود اور ہر ایک کی زبان پر ہے۔

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

یہ ہوتا ہے سنتِ محمدیؐ پر عمل کرنے کا مقام کہ ایک وقت آتا ہے کہ دنیا خود بخود قدم چو
مائل ہو جاتی ہے۔ سیرتِ محمدیہ کو اپنانے والا کبھی کسی پر ظلم روا نہیں رکھ سکتا۔ البتہ ظلم کی مدافعت کر سک
ظالم کے ہاتھ پکڑتا ہے۔ کسی پر ظلم کا ڈنڈا نہیں بجا سکتا۔ ان تین بند اور (۴۳) اشعار میں علامہ اق
نے ابتدائی بند میں خود اپنی زندگی کے ایک واقعہ کو بیان کیا ہے کہ ایک فقیر قضا بن کر ان کے گھر کے د
پر بھیک لینے صدا پر صدا دینے لگا۔ یہ اقبالؔ کے عنفوانِ شباب کا وہ دور تھا جب خون جسم
پورے حدت سے دوڑ رہا تھا۔ اقبالؔ نے تنگ آکر فقیر کے سر پر ایک ڈنڈا مارا۔ بس غضب
اقبالؔ کے والد مثلِ بید کانپنے لگے۔ اور آنکھوں سے گنگا جمنا رخسار دل پر سے بہتی ہوئی ریش
کو تر کرنے لگی اور اپنے بیٹے سے کہا "روزِ قیامت رسول اللہ صلعم غازیانِ ملت علما و فق
و شہدائے ملت اور اپنے عاشقوں کے درمیان تشریف فرما ہونگے اور نیک و بد کا آپ کے اطراف

ہو گا اور یہ فقیر رسالت مآب سے تمہاری اس حرکت و ظلم کی شکایت کرے گا اور حضور مجھ گنہگار سے مخاطب ہو کر دریافت فرمائیں گے کہ میں نے تیرے ذمہ ایک نوجوان کو کیا تھا کیا تو نے میری شریعت کے مطابق اس کی تربیت کی تو اس وقت میرا کیا جواب ہو گا؟ میری رسوائی سب کے سامنے ہو گی۔ اے میرے پسر! روزِ قیامت آقائے نامدارؐ کے سامنے مجھے رسوا نہ کرنا اپنے والد محترم کی یہ رقت و نصیحت سے اقبال کا قلب موم کی طرح نرم ہو گیا۔ اور یقین ہو گیا کہ صحیح راہ اختیار کرنے شریعت محمدیؐ کے ذریعہ عمل کو دلکش بنانے کی اور سنت محمدیؐ کو اپنانے کی راہ دکھا کے اسی راہ پر عمل کر کے اللہ کے اس حکم کی تعمیل کی جا سکتی ہے۔

ع دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

اب علامہ آگے سمجھاتے ہیں کہ تم کتنے ہی اچھے شریعت کے موافق عمل کرو حتیٰ کہ تمہارے اعمال کو نیساں کی اسی بارش سے تعبیر کیا جائے کہ جس کا ہر قطرہ موتی میں تبدیل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تو بھی کیا فائدہ۔؟ یہ یاد رہے کہ بارش نیساں کا وہی قطرہ موتی بنتا ہے جو صدف کی آغوش میں پرورش پاتا ہے۔ اگر بجائے صدف کی آغوش کے وہ قطرہ کسی مقام پر گرے تو نہ موتی بنتا ہے نہ مقام اعلیٰ بحیثیت گہر پاتا ہے۔ اس لحاظ سے تمہارے اعمال اگر سنت محمدیؐ کے سانچہ میں ڈھل جائیں یعنی سنت کی صدف میں پرورش پائیں تو بلا شبہ وہ گوہر نایاب بن جائیں گے ورنہ ایک بہتا پانی جس کو زمین چوس لے گی اور کل اس کا نشان نہ رہے گا۔ جاوید نامہ میں اقبال ان خیالات کو دوسری طرح لیں اور صاف واضح فرماتے ہیں کہ ـــ

ہر کجا بینی جہان رنگ و بوؐ ∴ آنکہ از خاکش بروید آرزو

یا ز نور مصطفےؐ او را بہاست ∴ یا ہنوز اندر تلاش مصطفےؐ ست

علامہ آداب محمدیؐ اور سنت محمدیؐ میں غوطہ زن ہو جانے کو شیوہ زندگی بنا لینے کی تلقین کرتے ہیں۔ اور حضور صلعم کے بارے میں فرماتے ہیں۔

عبدہٗ از فہم تو بالا است ∴ زانکہ او ہم آدم و جوہر است

علامہ اقبال اس نکتہ کو اجاگر کر رہے ہیں کہ رسالت مآب کی زندگی کے دو پہلو یا حیات محمدیؐ کی دو شاخیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ آدم ہیں دوسرے یہ کہ آپ جوہر آدم ہیں اس لحاظ سے آپ فہم سے بالاتر ہیں جہاں تک آدمیت کا مرکز ہیں اگر مسلمان یہ چاہتا ہے کہ

در جہان روشن تراز خورشید شو :: صاحب تابانیٔ جاوید شو !

یعنی مسلمان، دنیا میں خورشید سے زیادہ روشن رہنا چاہیے اور ہمیشہ کی تابانی حاصل کرے
تنہائی ہو تو اس مرکز سے مسلمان کو ہرگز ہرگز دور نہیں ہونا چاہیے۔ سیرت محمدیؐ اور سنت
ہر لحاظ سے ایک مکمل نمونۂ حیات اس لئے بھی ہے کہ جب ہم اشھد ان محمدا عبدہ
ورسولہ کہتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ بحیثیت آپ کی ذات صرف عبادات ہی سے مرا
جہاں یہ ذات کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کہتی اور اس پر عمل پیرائی کرتی اور
نظر آتی ہے۔ جہاں یہ مقدس ذات گھر اور مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے اور پڑھانے کے طریقے
نظر آتی ہے۔ جہاں یہ ذات قرآن پڑھتے اور سناتے نظر آتی ہے۔ وہیں بذریعہ عمل قرآن
اور قرآن مجسم کے روپ میں بھی نظر آتی ہے۔ اور وہیں متاع کردار کی حفاظت بذریعۂ قرآ
اپنے عمل سے کرنا بھی سکھاتی ہے جہاں یہ ذات رسالت روزہ رکھتی ہے اور رکھنے کی تلقین
زکوٰۃ دینے کے مسائل سمجھاتی اور ان پر عمل کرنا سکھاتی ہے اور جہاں یہ پاک ہستی حج کے فرا
انجام دینے کے طریقے بتلاتی اور سمجھاتی اور ان پر عمل کرنا سکھاتی ہے وہیں یہ ذات پاک میدا
عمل میں دنیوی حیثیت سے احکام الٰہی کی روشنی میں سرگرم عمل نظر آتی ہے۔ کہیں بازار میں خرید
کرتی اور خرید و فروخت کے انداز سکھاتی ہے۔ تو کہیں مصروف تجارت رہ کر اصول و قوا
تجارت سمجھانے میں مصروف نظر آتی ہے کہیں یہ ذات رسالت کشتی کے میدان میں بحالت
پہلوان کے چیلنج پر اس سے کشتی لڑ کے اس کو چت کر کے اس کو مشرف بہ اسلام کرتی نظ
کہیں یہ ذات مقدس دوڑ میں حصہ لیتی دیکھی جا رہی ہے تو کہیں حفاظت اسلام اور حفاظ
...اری کے لئے میدان جنگ میں مصروف جہاد ہے اور فولادی ذرہ پر زرہ پہنی ہوئی تلوار ہاتھ
...اور تیر چلاتی اور تیر چلانے سعد بن ابی وقاص کو دیتی نظر آتی ہے۔ کہیں والدین اولاد
... بیماروں رشتہ داروں ہمسایوں کے حقوق کی تعلیم حسد سے گریز غیبت سے پرہیز
...اور بھائی چارگی سکھائی اور کروائی جا رہی ہے کہیں علم حاصل کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ کہ
...کرو چاہے چین جیسے دور دراز ملک کو جانا کیوں نہ پڑے۔ کہیں حکومت کرنے کے
...سے اور سکھائے جا رہے ہیں۔ الغرض حیات طیبہ کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے کہ یہ پاک سیرت
...محمدی صلعم ہمیں رہنمائی کرتی نظر نہ آ رہی ہو۔ مختصر یہ کہ وہ رسول رہنمائے عبادات بھی
...العقلیات حسنہ دنیوی بھی ہے اور وہ ذات اقدس بقول اقبال وہ ذات عالی ہے کہ ذریعہ

تعلیم عمل ــــــ ع جس نے بنایا مومن کو مہ و پروین کا امیر

جس حکیم الامت علامہ اقبال مندرجہ بالا بیان کردہ حالات کے پیش نظر امت کو آواز دے رہے ہیں کہ سیرت محمدی کا نمونہ بن کر عشق محمدی کا عملی ثبوت اس انداز سے دے کہ

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے ٭ دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے

علامہ اقبال قوم کے زوال کو ترقی میں بدل دینے اور بیمار مسلمان قوم کو صحت یاب ہو کر ترقی دینی و دنیوی کے آسمانوں پر پرواز کر کے دنیا کو ماضی کی طرح حیران کر دینے کا بہترین راستہ شریعت اور سنت محمدی کی پابندی بتلاتے ہیں کہ اس کے بعد مسلمان قوم کی یہ حالت ہو جائے گی کہ دنیا پکار رے گی کہ واقعی

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث

جب ہم پانچ وقت کی نماز میں التحیات میں اس بات کی گواہی یہہ کہکر دیتے ہیں۔

اشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ یعنی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندہ اور رسول ہیں تو اللہ کے ہر ایک بندہ کے لئے آپ کی پیروی ناممکن نہیں بن جاتی آپ کی سنت سے وفا کر کے ہر مسلمان اللہ کے اس فرمان کی تکمیل کر سکتا ہے کہ ع

دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے

علامہ اقبال اور فلسفۂ و حقیقتِ اذان

زمانہ ایک بہتا دریا ہے جو امروز فردا کی وادیوں سے بہتا مہینوں اور سالوں کے میدان سے گذرتا ہوا صدیوں کے سمندر میں داخل ہوتا جاتا ہے۔ زمانے نے کئی کروٹیں اور تاریخ کے اوراق سامنے آکر خود گویا ہوتے ہیں کہ یہ زمانہ جو دور سے ادوار میں ہے کبھی اس کا کوئی دور اجالے میں رہا تو کبھی اندھا تاریکی میں ڈوبے رہے۔ خیر و شر میں کشمکش ہوتی رہی، کبھی تاریکی پر اجالا اور کبھی اجالے پر تاریکی پھر تاریکی پر اجالا آتا رہا۔ یہاں تک کہ نورِ اولین دورِ آخر میں خاتم النبیین بن کر اور نام محمد ﷺ پاکر ظاہر ہوا۔ اس نورِ محمدی ﷺ نے آخر دنیا کی تاریکی کو دور فرمایا اور امت کو سبق پڑھایا کہ جب بھی تاریکی نمودار ہو چکا ہے وہ شب کا اندھیرا ہو کہ کفر کی تاریکی سحر و اجالا کرنے کے نورِ حق کا اجالا پھیلانے کیلئے کفر کی تاریکی کو دور کرنے کیلئے اللہ کی بڑائی اللہ کی کا اعلان میری نبوت کا اقرار و اعلان بندگانِ خدا کو نیکی کی طرف بلا کر خوابِ غفلت سے عباداتِ الٰہی کی طرف بلا کے اپنی صبح کا آغاز کرو بس ان ہی حقیقت انگیز نعرہ نے اذان نام پایا اور اس سے تاریکی کا وجود لرز کر رہ گیا حسب الحکم شب و روز پانچ مرتبہ شبستان وجود کو لرزانے کا سبب قیامت تک یہ نعرے گونجتے رہیں گے بقول علامہ اقبال :-

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

پھر فرماتے ہیں اذاں بھی کونسی اذاں؟ اسلاف کی وہ اذاں؟ — دع

دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب

پھر فرماتے ہیں اے مسلمانو! وہ اذاں جس سے لرزتا تھا شبستانِ وجود اور جس نے دیا تھا پہاڑوں کو رعشۂ سیماب اسکو تم نے ایک رسم بنا کر اہم کہنے پر مجبور کر دیا کہ دع

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی

دیکھنے کو اذاں تو وہی ہے۔ جو حضرت بلال دیا کرتے تھے اور آج ہم دے رہے ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں۔

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن ؛ ملا کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور
پرواز ہے دونوں کی ایک فضا میں ؛ کرگس کا جہاں اور شاہیں کا جہاں اور

پھر فرماتے ہیں۔ ع۔ ہے میری بانگِ اذاں میں نہ بلندی نہ شکوہ

کفر کا دور دورہ ہے مسلم اپنے انداز سے گمراہ اور کافر اپنے انداز سے گمراہ ہے۔ ایسے وقت خاموشی کا موقعہ نہیں وحدانیت پھیلانے نورِ حق کو اجاگر کرنے ——

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں ؛ مجھے ہے حکمِ اذاں لا الٰہ الا اللہ
خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الا اللہ ؛ خودی ہے تیغ فساں لا الٰہ الا اللہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے ؛ صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ
کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا ؛ فریبِ سود و زیاں لا الٰہ الا اللہ
یہ مال و دولتِ دنیا یہ رشتہ و پیوند ؛ بتانِ وہم و گماں لا الٰہ الا اللہ
خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری ؛ نہ ہے زماں نہ مکاں لا الٰہ الا اللہ
یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند ؛ بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں ؛ مجھے ہے حکمِ اذاں لا الٰہ الا اللہ

بندۂ مومن کے لیے لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت اور لطف کا آغاز اور اللہ کی بزرگی کا اقرار نبوت کا اعتراف نیکی کی طرف عالم کو دعوت کی ابتدا اذاں سے ہوتی ہے اور مومن کی معراج نماز پر ہوتی ہے جبکہ بندہ سجدہ میں ہوتا ہے —— پھر بندۂ مومن کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ ——

شوق میری لَے میں ہے ؛ شوق میری نَے میں ہے
نغمۂ اللہ ھو میرے رگ و پے میں ہے

علامہ اقبال اور فلسفۂ نماز، حج اور روزہ

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَر (نماز فحش، بے ہودہ باتوں ناشائستہ حرکات اور بے حیائی اور خدا کے منع کئے ہوئے امور سے روکتی ہے) علامہ اقبال کی عمیق نظریں جب مسلمان پر پڑتی ہیں اور انہیں قوم میں ادائیگی نماز کے باوجود شائع کردار کا فقدان نظر آتا ہے تو علامہ چیخ اٹھتے ہیں۔ ہائے قوم یہ کیسی ہے کہ نہ —

قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے متاعِ کردار ÷ نہ کہیں لذتِ کردار نہ افکارِ عمیق

قوم میں وہم توہمات، حسد، جھوٹ، مکر و فریب، دھوکہ، وعدہ خلافی، رشوت، کسبِ حلال سے گریز، سود، غیبت، حتیٰ کہ شرک جیسی لعنتیں موجود ہیں اور نماز کی ادائیگی میں صرف نظر آتی ہے۔ افلاس کی بنیاد علامہ حضرت خلیل اللہ کے سے ایمان کی محرومی اور تہذیبِ حاضر کی غلامی اور اللہ کے ذات سے یقین کا فقدان بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں

سنا اے تہذیبِ حاضر کے گرفتار ÷ غلامی سے بدتر ہے بے یقینی
یقین مثلِ خلیل آتش نشینی ÷ یقین اللہ مستی خود گزینی

علامہ اقبال کی نظر جب مسلمانوں پر پڑتی ہیں اور انہیں قوم میں ادائیگی نماز کے باوجود برائیاں نظر آتی ہیں۔ تو علامہ ان نمازوں کا تجزیہ کرتے ہیں۔ (۱) مردِ مومن اور مردِ حر کی نمازیں، (۲) غلامی یعنی غلاموں کی نمازیں۔ (۳) ریاکاری کی نمازیں جو ہوس عقل و عیار اور نمائش کے ستونوں پر کھڑی ہو، علامہ فرماتے ہیں نماز تو مردِ مومن کی ہوتی ہیں۔ نہ کہ مردِ غلام کی یا مردِ ریاکار کی، نمازیں حقیقی مردِ آزاد مومن ادا کرتے ہیں جن کے قلوب زندہ رہتے ہیں جو غلامی سے آزاد ہوتے ہیں جب

درحقیقت اللہ پاک کی وحدانیت کا یقین محکم ہوتا ہے جو ہستیِ بیدار کو خدا نہیں بنا لیتے علامہ فرماتے ہیں انشاء اللہ ——— ہے تیری شان کے شایاں اس مومن کی نماز جس کی تکبیر میں ہو معرکۂ بود و نبود

اس دور کے مسلمانوں کا مقابلہ دورِ ماضی سے کر کے فرماتے ہیں ہائے ———

ہے میرے سینۂ بے نور میں اب کیا باقی ؛ لا الٰہ مردہ و افسردہ بے ذوق نمود!
اب کہاں میرے نفس میں وہ حرارت وہ گداز ؛ بے تب و تاب دروں میری صلوٰۃ اور درود
ہے میری بانگِ اذاں میں نہ بلندی نہ شکوہ ؛ کیا گوارا ہے تجھے ایسے مسلماں کا سجود؟

علامہ اقبال کا ایقان ہے چاہے دین ہو کہ فلسفہ فقر ہو کہ سلطانی جس کی تعمیر پختہ عقائد کی بنیاد پر ہی نہ ہو اور جس قوم کا عمل بے سوز نزار و زبوں اور ضمیر مردہ ہو جائے تو ان کی زندگانیاں ہی کیا اور ان کی نمازیں ہی کیا ———؟

دین ہو، فلسفہ ہو، فقر ہو، سلطانی ہو ؛ ہوتے ہیں پختہ عقائد کی بنا پر تعمیر
حیف اس قوم کا ہے سوز عمل زار و زبوں ؛ ہو گیا پختہ عقائد سے تہی جس کا ضمیر

بظاہر مسلمان حافظِ قرآن ہے۔ نمازوں میں بڑے بڑے سورے پڑھتا ہے اور تہجد میں قرآن پر قرآن ختم کر دیتا ہے مگر وہ درحقیقت قرآن سے کس قدر دور ہے اس کا عمل قرآنی ہے نہ کردار قرآن سے مطابقت رکھتا ہے تو علامہ فرماتے ہیں پھر مسلمان میں جدت کردار کہاں سے آئے۔ علامہ اولاً سمجھاتے پھر دعا فرماتے ہیں۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں ؛ اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار
جو حرف قل العفو میں پوشیدہ ہے اب تک ؛ اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن ؛ قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآں

اگر ایسا نہیں ہے تو علامہ فرماتے ہیں:-

دل ہے مسلماں میرا نہ تیرا ؛ تو بھی نمازی میں بھی نمازی

آخر اس سے فائدہ — ؟ اگر تو ایسی نمازیں پڑھے جو نہ وحدانیت کا تصور ہی ذہن و قلب میں پیدا کرے نہ اسلامی زندگی کے آثار بلکہ مسکینی محکومی اور دائمی نا امیدی کا تو شکار بن کر ذاتِ الٰہی پر ایقان سے محروم رہے تو تجھے اسلامِ محمدیؐ کا نام بھی لینے کا حق نہیں۔ تو نے اپنا مسلک بھی نیا لیا ہے تو علامہ فرماتے ہیں۔ ؟ کیوں اسلامِ محمدیؐ کو بدنام کرتا ہے ؟ تو ایک نیا اسلام کیوں ایجاد نہیں کر لیتا ہے ؟۔

مسکینی و محکومی و نومیدی جاوید ؛ جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کر ایجاد

علامہ فرماتے ہیں اے مسلمانی کا دعویٰ کرنے والو! ظاہری نمازوں کا دکھاوا اور مراقبوں میں

کھو جانے والو! بظاہر ذکرِ الٰہی میں مصروف نظر آنے والو! پھر ذکرِ نیم شبی کے دعویدارو! کس طرح سن لو! ——

یہ حکمتِ ملکوتی، یہ علمِ لاہوتی ∴ حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکرِ نیم شبی، یہ مراقبے یہ سرور ∴ تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل ∴ دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

علامہ اقبال اللہ کی جانب سے ہندی مسلمان سے مخاطب ہیں۔ ؎

وہی سجدہ ہے لائقِ اہتمام ∴ کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام
تری نماز میں باقی جلال ہے نہ جمال ∴ تری اذاں میں نہیں ہے مری سحر کا پیام
سطوتِ توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی ∴ وہ نمازیں ہند میں نذرِ برہمن ہو گئیں

غلاموں کی نماز اور مردانِ حُر کی نمازوں میں علامہ اقبال بہت فرق بتلاتے ہیں۔ غلاموں کے سجدے طویل مگر زندگی کے عمل سے محروم اور سوز سے خالی ہوتے ہیں۔ اور غلاموں کے ہاتھ دعاؤں کے لئے ہمیشہ اٹھے رہتے ہیں مگر قلب سوزِ یقین سے خالی رہتا ہے۔ مرداں حُر کی مختصر دعائیں، مختصر مگر باثر اور سوز لی ہوئی ہوتی ہیں۔ مردانِ حُر کے دراصل یہ وہ سجدے ہوتے ہیں جن میں ملت کی زندگی کا پیام ہوتا ہے۔ چونکہ مردانِ حُر کو ملت کے ہزاروں اور منصب کی بقا کے بے شمار کام انجام دینے ہوتے ہیں۔ علامہ ان خیالات کا یوں اظہار فرماتے ہیں ؎

کہا مجاہد ترکی نے مجھ سے بعد نماز ∴ طویل سجدہ ہیں کیوں اس قدر تمہارے امام
وہ سادہ مردِ مجاہد وہ مومنِ آزاد ∴ خبر نہ تھی اسے کیا چیز ہے نمازِ غلام
ہزار کام ہیں مردانِ حُر کو دنیا میں ∴ انہیں کے ذوقِ عمل سے ہیں امتوں کے نظام
بدن غلام کا سوزِ عمل سے ہے محروم ∴ کہ ہے مرورِ غلاموں کے روز و شب پہ حرام
طویل سجدہ اگر ہیں تو کیا تعجب ہے ∴ ورائے سجدہ غریبوں کو اور کیا ہے کام
خدا نصیب کرے ہند کے اماموں کو ∴ وہ سجدہ جس میں ہے ملت کی زندگی کا پیام

علامہ ایسی غلامی کی نماز اور غلام امام کے بارے میں فرماتے ہیں:—

ترا امام بے حضور، تری نماز بے سرور ∴ ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر
قوم کیا چیز ہے قوموں کی امامت کیا ہے ∴ اسکو کیا جانے بچارے یہ دو رکعت کے امام

تاریخ شاہد ہے کہ رسول مقبول صلعم و صحابہ اکرام رض کی دن کی نمازیں مختصر اور سوز لی ہوئی اور سجدے دن کے مختصر مگر وہ سجدے ہوتے تھے کہ :-

وہ سجدے روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی :: اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

جماعت کی نماز میں جب کسی بچے کی رونے کی آواز آتی تھی تو رسول اللہؐ اسکے ماں کے خیال سے نماز مختصر کر دیتے تھے مگر ان محترم المقام ہستیوں کی رات کی نمازیں طویل سجدے طوالت کو اس قدر اپنائے ہوئے تھے کہ ایک رات تو حضرت عائشہ رض کو رسول اللہؐ کے طویل سجدے نے یہ احساس پیدا کر دیا تھا کہ کہیں آپ کا وصال نہ ہو گیا ہو، آپ رض کو آقا نامدار صلعم کے پاؤں کو ہاتھ لگا کر آپ کے حیات کی تصدیق کرنی پڑی
آج ہماری دن کی نمازیں و دعائیں دکھاوے کی طویل مگر بے سوز اور راتوں کو ہم نرم نرم گدوں پہ سوتے ہیں، اپنے دل میں دنیا کے صنم لبائے جیتے ہیں۔ صنم دل میں لبائے سوتے ہیں، صنم دل میں لبائے مصروف نماز ہیں۔

علامہ فرماتے ہیں اگر ایسی ہی نماز ادا کی جائے تو حاصل کچھ نہ ہوگا البتہ زمیں ضرور پکارے گی۔

میں جو سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی یہ صدا :: ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں۔

پھر فرماتے ہیں لات و منات اور دیوتاؤں کو اپنے دل سے نکال پھینکنا بڑا کمال ہے جو ہر زمانہ بھیس بدل کر ایک نئے انداز سے ترے قلب میں جگہ پاتے رہتے ہیں۔ اگر ان سے چھٹکارا پاکر اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکانا تو نے سیکھ لیا تو ہزاروں مصنوعی معبودوں کے سامنے سر جھکانے سے محفوظ ہو جائے گا اور تیری نماز بھی نماز ہو جائے گی۔

بدل کر بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں :: اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات و منات
یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے :: ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اگر ایسا نہیں کیا بلکہ لات و منات کو دل میں لبا کر ہی نماز پڑھتا رہا تو تجھ سے زمیں برابر پوچھتی رہے گی۔ ؏ ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں۔

حضرت علی رض کی بھی نماز تھی کہ ایک تیر پاؤں میں جا لگا جہاد میں تو نکالنے کا موقعہ نہ تھا بعد میں پامبارک متورم ہو گیا ہاتھ لگانے دیتے تھے نہ کسی کو تیر نکالنے۔ صحابہ نے رسول مقبولؐ سے حضرت حضرت علی رض کی تکلیف کا حال بیان کیا ارشاد ہوا علی رض جب سجدے میں ہوں نکال لو جب حضرت علی رض بحالت نماز تھے تیر نکال لیا گیا اور دوا لگا دی گئی بعد فراغت نماز حضرت علی رض نے پاؤں بہت ہلکا محسوس فرمائے پوچھا یہ اسقدر ہلکا کیسے ہو گیا۔؟

علامہ ایسے سرور اور حضوریِ قلب خدا کو دیکھنے والی چشم دلِ بینا کا یوں ذکر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ — حضوریِ قلب نماز کو نبھانے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ جب ہی تو صاحبِ سرور ہو گا۔ اور دل کی آنکھ وا ہو گی۔ اس کے لئے تو خدا سے طالب دعا بھی ہو، خدا کو حاضر جاننے کا تصور تجھ میں پیدا ہی نہ ہو تو یہ تیری زندگی نہیں بلکہ موت ہے یہی وجوہات ہیں کہ اس زمانے میں صاحبِ سرور کا نظر آنا دشوار ہو گیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

بے حضوری ہے تری موت کا راز ∴ زندہ ہو تو تو بے حضور نہیں

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب ∴ آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں ∴ ایک بھی صاحبِ سرور نہیں

علامہ صاف طور پر فتویٰ صادر فرماتے ہیں کہ تیری نماز اسی وقت نماز ہو گی جبکہ مـ؏

اُتر گیا جو ترے دل میں لا شریک لہٗ

علامہ نمازیوں سے پھر یوں مخاطب ہیں۔ تم اگر بغیر "لا الٰہ" کو اپنے سینوں اور دلوں میں لبائے نماز پڑھ کر سرور محسوس کر رہے ہو تو سنو :-

اسی سرور میں پوشیدہ موت بھی ہے تری ∴ ترے بدن میں اگر سوزِ "لا الٰہ" نہیں

خرد نے کہہ بھی دیا "لا الٰہ" تو کیا حاصل ∴ دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

علامہ اقبال کا یہ فتویٰ آخیر ہے کہ دل و نگاہ کو مسلماں بنا ئے تو نماز نماز ہو گی اور اگر :—

دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ورنہ تیری نماز وہ نماز ہو گی جو ہر سال تصاویر کے ساتھ جلی سرخیوں سے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوتی ہے کہ چیف منسٹر آندھرا منسٹر این ٹی راما راؤ نے ماہِ رمضان میں روزہ داروں کو دعوتِ افطار دے کر بعد افطار مسلمانوں کے ساتھ امام کے بالکل پیچھے کھڑے ہو کر منسٹر فینانس مسٹر بھاسکر راؤ کے ساتھ نماز ادا کی۔ اور بہ حیثیت ایکٹر ایکٹنگ کے انداز سے تو نماز ادا کی مگر عجب کہ حقیقت حال یہ ہے کہ مـ؏

دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہمارے خوف کے چیف منسٹر این ٹی آر کو ساتھ لیکر نماز پڑھ لیا علامہ جاوید نامہ میں فرماتے ہیں :-

مومن و پیشِ کساں بستن نطاق ∴ مومن و غداری و فقر و نفاق

اپنے آپ کو مومن ظاہر کر کے ذی اقتدار بندوں کے سامنے کمر بستہ ہو کر بندانہ عاجزی دکھانا مومن کے لئے ایمان کیا عقیدہ کی اور فقیر کا مذاق ہے۔

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے وہ مسلمانوں کو بھی نوع انسان سے تعلقات رکھنے کے حدود سے آگاہ کرتا ہے جب رسول مقبول صلعم مکہ سے مدینہ تشریف فرما ہوئے۔ تو آپ نے یہودیوں سے معاہدہ فرمایا کہ اگر کوئی دشمن مدینہ پر حملہ کرے گا تو مسلمان اور یہودی دونوں مل کر دفاع کریں گے۔ مگر عبادت ایمان اور اعتقاد کا جہاں تک سوال ہے اسمیں کوئی معاہدہ ممکن ہے اور نہ اس کا مذاق اللہ پاک گوارا فرما سکتے ہیں۔

نماز کا مذاق اور قدرت کے طمانچے

چیف منسٹر مسٹر این ٹی راما راؤ اور مسٹر بھاسکر راؤ کو بت پرستی کرتے ہوئے نماز کا مذاق اڑانے کی یہ سزا ملی کہ ایک ماہ تک چیف منسٹر این ٹی آر صاحب کرسی سے علیحدہ ہو کر مسٹر بھاسکر راؤ کے ہاتھوں پریشان رہے، پھر بھاسکر راؤ کو یہ سزا ملی کہ ایک ماہ چیف منسٹری کے بعد ہمیشہ کے لئے سیاست کے افق سے غائب ہو کر گمنامی کی زندگی نصیب ہوئی۔ مسلمانوں کی حمیت اور غیرت پر قدرت نے یہ طمانچے اور تازیانے برسائے کہ کئی مسجدیں ہاتھ سے نکل گئیں اور مسجد بابری میں بت بیٹھ گئے۔

مسلمانوں کا دعوت افطار قبول کرنا اور ساتھ ادائی نماز

مسلمانوں کا پرائم منسٹر چیف منسٹر کے دعوت افطار کو قبول کرنے کا جہاں تک سوال ہے اس کا جواب حقّہ سوئم مسلمانوں کے تکلیف دہ سوہان روح زوال کا حل قل ھو اللہ ھو احد (سورۂ اخلاص) میں مضمر ہے علامہ اقبال کی لاجواب تفسیر دلائل اور مثالیں صحابہ اکرام رض و بزرگان دین میں خصوصاً شان بے نیازی امام مالک رح میں مل جائے گا جبکہ خلیفہ ہارون الرشید جیسے جلیل القدر خلیفہ نے امام مالک رح کو اپنے پایۂ تخت بغداد آنے کی دعوت دی تو امام مالک رح نے کس شان بے نیازی سے انکاری جواب دیا کہ :-

گفت مالک رح مصطفےٰ را چاکرم ∴ نیست جز سودائے او اندر سرم
عشق می گوید کہ فرمانم پذیر ∴ پادشاہان را بخدمت ہم مگیر

اگر یہ کہا جائے کہ امام مالک رح کی بات صدیوں پرانی ہے تو اسی صدی کا ذکر ہے کہ شاہ دکن نظام سابع میر عثمان علی خاں جن کو اقتدار کا مظہر کہا جاتا تھا ایک امیر کو یہ خبر سن کر ایک

صاحبِ دل بزرگ جو سو سال کے قریب تھے اور روزے اور عبادات میں محو رہتے تھے ر
کیا کہ ان کے روزے کے تعلق سے دریافت کریں اور کہلا بھیجا کہ آج افطار شاہی آپ کی خ
میں پیش کیا جائے گا۔ نظام دکن کے امیر کی جب ان بزرگ ہستی کے گھر میں باریابی ہوئی ت
کا سبب دریافت کیا جب امیر نے شاہِ وقت کے حکم کی بنا پر روزہ کے بارے میں د
کیا تو بڑی مشکل سے اپنا سر اٹھا کر جواب دیا تمہارے بادشاہ کو ہمارے روزے سے
سروکار؟ یہ ہمارا اور ہمارے اللہ کے درمیان کا معاملہ ہے۔ جب افطار شاہی کے
کرنے کا شاہِ دکن کے ارادے کا امیر نے ذکر کیا تو اس بزرگ نے غصہ سے بلا خوف فرما
تم اپنے شاہ سے جاکر کہدو کہ ہم تمہارے ناپاک روپیہ کے افطار سے روزہ نہیں خراب
کر سکتے۔ آئندہ ہم کو ستانے کی کوشش نہ کرنا۔ یہ جواب سن کر بادشاہ پر ایک سکتہ ک
کیفیت طاری ہوگئی۔ جب انسان لا کی منزل کامیابی سے طے کر کے الا کی منزل پر پہو
جاتا ہے تو بقول علامہ اسکی منزل یہ ہوتی ہے کہ:۔

یقیں مثلِ خلیل آتش نشینی ۔:۔ یقیں اللہ مستی خود گزینی

آج کے مسلمان کا تو یہ حال ہوگیا ہے کہ دعوت افطار پرائم منسٹر اور چیف منسٹر پہ بڑی بڑی دینی
امیدیں لئے اعزاز سمجھ کر دولت عالی پر حاضر ہوجاتے ہیں مگر کچھ ملّا تو صرف افطار اور نماز
چیف منسٹر کا ساتھ اور مسجدیں افطار کے معاوضہ میں نذر پر سمجھ ہوگئیں۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے تجھ کو نو امیدی ۔:۔ مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

نماز بھی پوجا بھی اور مسلمانی بھی

اخبارات کی یہ خبر کس نے نہیں پڑھی کہ کشمیر کے چیف منسٹر ڈاکٹر فاروق
نے اپنے باپ شیخ عبداللہ کے نقشِ قدم پر چل کر جموں کے مشہور مندر میں
وشنو دیوی کی پوجا کی اور وشنو دیوی کے آشیرواد حاصل ہونے کی ا
کا اظہار کیا۔ پھر مسجد میں نماز کیلئے کعبۃ اللہ حج کے لئے روانہ ہوئے پوری قوم کی زبان پر اور لبوں پر مہریں لگ
چونکہ موجودہ آئندہ میں کوئی جلسہ احتجاج نہیں، علماء کا کوئی فتویٰ منظر عام پر نہیں آیا۔ جب مسلم
قوم لا کی منزل ہی طے کر کے الا کی منزل پر نہ پہونچے تو بقول علامہ اقبال:۔

نہاد زندگی میں ابتدا لا انتہا الا ۔:۔ پیام موت ہے جب لا ہوا الا سے بیگانہ
وہ ملت روح جس کی لا سے آگے بڑھ نہیں سکتی ۔:۔ یقیں جانو ہوا لبریز اس ملت کا پیمانہ

ایک فاروق عبداللہ شیخ عبداللہ پر کیا منحصر ہے۔ بے حساب مسلمان جو اپنے آپ کو عبداللہ یعنی اللہ
بندے کہتے ہیں ادھر شیخ سدو اور مسعود کو دنیوی فراغت کیلئے مانتے اور ان کے نام پر روپیہ دیـ

ادھر نماز کے لئے مسجد میں حاضر ہوتے ہیں علامہ اقبال کا قطعی فتویٰ ہے کہ :-

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام ⁞ کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ دنیوی فراغت ملتی ہے، زر سود و رسد و کو ماننے سے تو بقول علامہ اقبال

ع — دنیا تو ملی طائر دین کر گیا پرواز — نتیجہ خریدی جہنم

(فلسفہ اور حقیقتِ مسجد)

مسجد کو اللہ کا گھر کہا جاتا ہے حالانکہ ہر شخص بلا شک و شبہ جانتا و مانتا ہے کہ اللہ تمام قیود زماں و مکاں سے پاک ہے۔ کعبۃ اللہ کو بھی اللہ پاک نے اپنا گھر قرار دیا۔ یہ اللہ پاک کا کس قدر احسانِ عظیم ہے کہ اللہ پاک بے نیاز ہوتے ہوئے بندوں کے خلوص اور محبت کی قدر فرماتے ہیں جب اسی کے دو مقدس بندے باپ اور بیٹے کے روپ میں محبتِ الٰہی کے سمندر میں غوطہ زن ہو کر یا عشقِ الٰہی میں فنا ہو جانے کے بعد ایک مٹی و پتھر کا گھر بناتے ہیں۔ تو اللہ پاک اسکو اپنا گھر ہونے کا اعلان فرماتے ہیں اس طرح وہ تمام مسجدیں جن کا رخ کعبہ کی جانب ہو اور جہاں اس کے بندے شرک سے آزاد ہو کر اپنی پیشانی اس کے دربار میں ایک جگہ جمع ہو کر ٹیک دیں۔ اور عالم بیخودی میں سجدہ ریز ہو کر وحدانیت اور بزرگی کا اعتراف کرلیں وہ بھی اللہ کے گھر قرار پا گئے۔ مقام غور یہ ہیکہ نمازیں گھر میں بھی ادا ہو سکتی ہیں تنہائی میں زیادہ رقت اور حضوریِ قلب سے نمازوں کی ادائی ہو سکتی ہے تو پھر مسجدوں کی ضرورت؟ اللہ اور اس کے انبیاء کے تمام کام نہ ان کے فائدہ و منفعت کیلئے ہوتے ہیں نہ کسی کام میں ان کی ذاتی اغراض کو دخل ہوتا ہے۔ انبیاء کے پیش نظر اپنی امتیوں کا مفاد اللہ کے پیش نظر اپنے بندوں کا مفاد ہی رہتا ہے۔ مسجدیں اللہ کا گھر اسلئے کہلاتی ہیں کہ وہاں اللہ کے بندے شرک و کفر کی غلاظت کو گندگی سے پاک ہو کر ایک اور نیک بننے جمع ہوتے ہیں اور اللہ کی بندگی کا اظہار ایک اتفاق اتحاد کے ساتھ شانہ بہ شانہ کھڑے ہو کر ایک ساتھ قیام ایک ساتھ شانِ الٰہی کے سامنے جھک جانا ایک ساتھ شانِ جلالی کے سامنے اپنی پیشانی کو زمین پر ٹیک کر اعلان کرتے ہیں کہ ہم صرف تیرے بندے ہیں اور اے رب تو پاک قابلِ تعریف اعلیٰ و ارفع ہے۔ مسجد کی نماز ڈسپلن تنظیم اتفاق، مساوات، اتحاد کی مسلمانوں کو تعلیم دیتی ہے۔ عام حالات میں تو کیا جبکہ جنگ جاری ہے جان پر بنی ہے اور علامہ اقبال کی زبان میں سنئے قوم حجاز کا کیا عالم ہے اور اسلام کی مساوات کیا ہے

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز ⁞ قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز ⁞ نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے :: بندہ و صاحب، و محتاج و غنی ایک ہوئے
مسلمان بغیر اغیت نماز اپنے زبان حال سے خود بقول علامہ یہہ پکارتا ہے ۔
مٹا دیا میرے ساقی نے عالم من و تو :: پلا کے مجھ کو مئے لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُو

مسجدوں میں مسلمانوں کا جمع ہونا عبادات الٰہی کا بجا لانا وحدانیت کا ڈنکا بجانا علاوہ اتحاد و اتفاق اور اسلام کی شان میں مظاہرہ اور ڈسپلن کے اظہار کے علاوہ آپس میں مسلمانوں کو رسول مقبول صلعم نے بھائی چارگی کے جس رشتہ میں جوڑ دیا ہے اس رشتہ کو فروغ دینا اور ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہو کر ایک دوسرے کی خدمت اور حاجت روائی کرنا عین مقصد اولین ان مساجد کا تھا اور ہے چونکہ اسقدر مقصد اعلیٰ ان مساجد میں آنے سے حاصل ہوتے ہیں اللہ نے ان مساجد کو اپنا گھر فرمایا ان مساجد میں جمع ہو کر مسلمان اپنے بھائی چارگی کے رشتہ کو استوار کرتے اور محبت کی دولت حاصل کرتے ہیں اور محبت ہی وہ شئے ہے بقول علامہ اقبال :۔

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے :: کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے

ایک وقت آیا کہ مسلمان مسجدوں کے قیام کے فلسفہ اور مقصد سے بے خبر ہو گئے کہ علامہ اقبال کی زبان میں حال یہہ ہو گیا کہ :۔

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے :: یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

اب مسلمانوں نے اللہ سے ہٹ کر مسجدوں کی پوجا شروع کر دی ۔ بجائے مسجدوں کے ذریعہ اپنے کردار کو سنوارنے نے اپنے روح و قلب کو منور کرنے کے مسجدوں کو سنوارنا اور نفیس منور کرنا اور ایسی جھگڑے اور غیبتیں کا مسجدوں کو اکھاڑا بنا ڈالا اور مسلمان یہہ سمجھنے سے قاصر ہو گئے ۔ ؏

اب کہاں میرے نفس میں وہ حرارت وہ گداز :: بے تب و تاب دروں میری صلوٰۃ اور درود !

(مسجد بابری اور دیگر مساجد)

جب مسلمانِ مسجدوں کو کئی منزلہ بنانے اور سنوارنے اور آپس میں ٹکرانے میں گم ہو گیا نمازیں بے سوز بے تب و تاب دروں ہو گئیں ۔ تو حال یہہ ہو گیا کہ

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے

من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا ۔

یہاں مصرع اول میں جو ایمان کی حرارت کا ذکر کیا گیا ہے وہ طنزیہ انداز میں کیا گیا ہے پھر اسلاف کی اور ہماری نمازوں کا حال یہ ہو گیا :۔

(۱) لا الٰہ اندر نمازش بود و نیست ⁂ ناز ہا اندر نیازش بود و نیست

(۲) نور در صوم و صلوٰۃ او نماند ⁂ جلوۂ در کائنات او نماند

(۱) ہمارے اسلاف کی نمازیں وہ نمازیں تھیں کہ ان کی نمازوں میں لا الٰہ کا اظہار ہوتا تھا یعنی ان کی نماز ہر مصنوعی معبود کی نفی کر کے الا اللہ کی قوت کا اظہار کرتی تھی اب یہ چیز یہ جذبہ یہ انداز ادائی نماز ہم میں نہیں رہا۔

(۲) ہمارے اسلاف کے روزوں اور نمازوں میں ایک نور تھا جس کا جلوہ پوری کائنات پر اثر انداز تھا مگر اب نہ ہمارے روزوں کی وہ کیفیت ہے اور نہ نمازیں وہ کیفیت باقی رہی ہے پھر علامہ فرماتے ہیں :۔

(۱) روح چوں رفت از صلوٰۃ و از صیام ⁂ فرد ناہموار و ملت بے نظام

(۲) سینہ ہا از گرمی قرآں تہی ⁂ در چنیں مرداں چہ امید بہی

ترجمہ (۱) :۔ جب نماز اور روزے کی روح ہی نکل گئی تو فرد کی زندگی ناہموار ہو گئی اور مسلمان قوم منتشر ہو کر رہ گئی اور نظام ملت سے محروم ہو گئی۔

(۲) سینے قرآں کی گرمی سے خالی ہو گئے تو ایسے مسلمانوں سے بہتری کی کیا امید ہو سکتی ہے جب یہ حالت مسلمانوں کی ہو گئی تو بقول علامہ اقبال بال جبریل میں اللہ پاک نے فرشتوں کے نام فرمان جاری کیا ۔ مسجدوں کی سجاوٹ اور کمی منزلہ مسجدوں کی بناوٹ اور مسلمانوں کی بے حسی دیکھ کر :۔

حق را بسجودے صنماں را بطوافے ⁂ بہتر ہے چراغ حرم و دیر بجھا دو!
میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے ⁂ میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو!

جب یہ فرمان عالی صادر ہوا تو مساجد کی حقیقی حفاظت ذریعۂ عبادت بلحاظ اعمال مسلمانوں نے قبل ازیں چھوڑ ہی رکھی تھی اب فرشتے بھی ایسی مسجدوں کی حفاظت سے دست بردار ہو گئے اب مسجدوں کی تقسیم ابتداً ان مسلمانوں نے شروع کر دی بقول علامہ :۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک ⁂ ایک ہی سب کا نبی دین بھی قرآں بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک ⁂ کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

مسلمان اور مسجدوں کے بٹوارے

بٹوارے تو باپ کے مرنے کے بعد اس کی جائیداد کے ہوتے ہیں کس قدر بدبختی کی بات ہے کہ اللہ باقی اور مسلمانوں نے اللہ کے گھر کے بٹوارے شروع کر دیئے
(۱) مساجد اہلِ سنت الجماعت (۲) مساجد جماعتِ اسلامیہ
(۳) مساجد اہلِ حدیث (۴) مساجد مہدویہ (۵) مساجد شیعہ حضرات پھر مساجد فرقہ قادیانی جن کو پاکستان نے غیر مسلم قرار دیا ہے۔ اب مسجدوں پر اپنے اپنے بورڈ لگے ہیں۔ جن کا یہ حال ہے کہ

ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر کا سجود ؛ ان کی فطرت کا تقاضہ ہے نمازِ بے قیام

مسجدوں کے آپس میں ہی بٹوارے ہوتے رہے آخر اللہ پاک نے مسلمانوں کی گوشمالی اور حمیت و غیرت پر تازیانے برسانے ابلیس اور اس کے چیلوں کو موقع دیا کہ مسجد بابری پر قبضہ کر کے بت بیٹھا دیئے گویا اس مسجد کا نام ہوگا۔ (۶) مسجد صنم آشنا چونکہ مسلمانوں کا یہ حال ہو گیا ہے کہ ع

تیرا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

اب بھی مسلمان دستِ بہ گریباں ہیں صرف جلسوں کا انعقاد اور نعروں کا اضافہ ہے فرقہ بندیاں ہیں اور ہر ایک اپنے اپنے مکتبِ خیال کے عالم بلواتا اور تقاریر میں محو ہے۔ ادھر طعنِ اغیار ہے نادار ی ہے رسوائی ہے۔ اگر اب بھی مسلمان علامہ اقبال کی پکار سن کر ایک ہو جائے، نیک ہو جائے تو اے مسلمان! ——

کشتیٔ حق کا زمانہ میں سہارا تو ہے ؛ عصر نورات ہے دھندلا سا ستارہ تو ہے
تو سمجھتا ہے یہ ساماں ہے دل آزاری کا ؛ امتحاں ہے تیرے ایثار کا خودداری کا!
کیوں ہراساں ہے صہیلِ فرسِ اعدا سے ؛ نورِ حق بجھ نہ سکے گا نفسِ اعدا سے
چشمِ اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری ؛ ہے ابھی محفلِ ہستی کو ضرورت تیری

اب مسجد بابری کے حاصل کرنے کے خواہش مندوں کو فرقہ آرائیوں سے بچنا اور یہ سمجھنا ہے کہ :-

دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں ؛ اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی
ڈالی گئی جو فصلِ خزاں میں شجر سے ٹوٹ ؛ ممکن نہیں ہری ہو سحابِ بہار سے
ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ ؛ پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

مسلمانوں نے علامہ اقبال کی مندرجہ بالا کی نصیحت پر عمل کیا تو مسجد بابری ہی کیا کائنات پر قبضہ ہو جائے گا —— خود بخود گردد درِ میخانہ باز ؛ بر تہی پیمانگانِ بے نیاز

اگر لذتِ ایمان ہے تو اللہ کے میخانے کا دروازہ اللہ کی عشق کی شراب پینے والے کے لئے خود بخود کھل جائے گا۔

علامہ اقبال مسلمان رمضان اور ہلال عید الفطر

نماز از روئے قرآن پاک برائیوں سے روکتی ہے اور روزہ مسلمان کو متقی بناتا ہے۔ اگر نماز نہ برائیوں سے روکے نہ روزہ متقی بنائے تو علامہ فرماتے ہیں۔

روح چوں رفت وصلوٰۃ و از صیام ⁂ فرد ناہموار و ملت بے نظام

روزہ کلا اسلام کا تیسرا رکن ہے اور ایک ایسی عبادت ہے جس کا راست تعلق اللہ پاک کی ذاتِ پاک سے ہے اور اس کی جزا بھی اللہ پاک ہی ہیں۔ اسلام کے چار ارکان ایسے ہیں جو عمل سے ظاہر ہوتے ہیں۔ کوئی کلمہ پڑھتا ہے تو ہر کوئی اسے سن سکتا ہے۔ نماز، زکوٰۃ اور حج کی ادائی سب دیکھ سکتے ہیں مگر کوئی روزہ ہے تو اس کا جاننا صرف روزدار یعنی بندے اور خالق پر منحصر ہے۔ روزہ روح کو لطیف، قلب کو منور اور جسم کو تندرست بناتا ہے۔ گویا جسم، روح اور قلب سب ہی بیک وقت داحد اس عبادت سے تندرستی سے ہمکنار ہوتے ہیں اور زکوٰۃ کی ادائی کیلئے عموماً اس مبارک ماہ کا انتخاب بغرض وصولیٔ ثواب جزید کیا گیا ہے۔ اس طرح اس ماہ میں یہ دو ارکانِ اسلام بہ وقتِ واحد تکمیل پانے اور پھر نماز کی پابندی سے ادائی گویا تین ارکان اسلام کی تکمیل کرواتی اور پہلا رکن کلمہ طیبہ کی تصدیق کرواتی ہے۔ گویا یہ ماہِ مبارک رمضان ایک ایسا ماہ ہے جو اسلام کے بہ وقتِ واحد چار ارکان کی تکمیل کرواتا ہے۔

جب علامہ اقبال کی عمیق نظر میں ماہِ رمضان کی برکتوں اور روزے کے فوائد پہ پڑتی ہے اور علامہ جب قوم کا سروے کرتے ہیں تو صرف غرباء کو حالتِ روزہ میں دیکھتے ہیں۔ اور امراء کو دولت کے نشہ میں پاکر اللہ پاک کی جانب یوں فرماتے ہیں۔

جا کے ہوتے ہیں مساجد میں صف آراء تو غریب ⁂ زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارہ تو غریب
امراء نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے ⁂ زندہ ہے ملتِ بیضا غربا کے دم سے
طبع آزاد پہ قید رمضان بھاری ہے ⁂ تمہیں کہدو یہ آئینِ وفاداری ہے

علامہ اقبال کے اس شعر کی تصدیق کیلئے کہ

طبع آزاد پہ قید رمضان بھاری ہے ⁂ تمہیں کہدو یہ آئینِ وفاداری ہے

اگر تمام مسلم ہوٹلوں کا ماہ رمضان المبارک کی ظہر کے وقت سروے کیا جائے تو یہ دیکھ کر افسوس

ہوگا کہ امراء طبقہ ہی نہیں بلکہ اوسط طبقہ بھی اسلام کے اس رکن سے مستفید ہونے اور برکات حاصل کرنے سے محروم ہوتا جارہا ہے۔ نوجوانوں کی اکثریت ہر ہوٹل میں چائے نوش فرماتے لقمی، کباب، بریانی اور دن کے دو بجے بعد سے ہریس و حلیم سے لذت یاب ہوتے دیکھ کر شاید اللہ پاک اب یوں کہہ اٹھیں "نوجوان نسبۃً ہوٹل میں ہیں غافل ہم سے" یہ چیز خاص طور پر ذہن نشین رکھنی چاہیئے کہ روزے ماہِ رمضان کے نہ کوئی بڑے ہیں نہ کوئی چھوٹے۔ تمام روزے یکساں اہمیت کے حامل اور یکساں فرض ہیں۔ لیکن کس قدر مقامِ افسوس ہے کہ جب ہم دیکھتے ہیں کہ قوم کے چند نوجوان خاص روزوں کو بڑے روزے قرار دے کر انہیں پابندی سے رکھتے ہیں خصوصاً جمعۃ الوداع کا روزہ بہت بڑا اور متبرک تصور کر کے اس کی تکمیل کرتے ہیں اور کثیر اجتماع کا اس روز اظہار کرتے ہیں۔ حالانکہ سب روزے یکساں فرض ہیں۔ اپنی تن آسانی کے لئے خاص روزوں کو بڑے قرار دے کر انہیں بقول علامہ اقبال۔

ہر کوئی مست مئے ذوقِ تن آسانی ہے ٭ تم مسلماں ہو؟ یہ اندازِ مسلمانی ہے؟

کا مصداق بن کر رہ جاتا ہے۔ علامہ اقبال اسلاف کی نسبت روحانی اور حیدری فقر اور دولت عثمانی اور زورِ حیدری و رعبِ فاروقؓ اور صدیق کی صداقت کا ذکر کر کے بتلاتے ہیں کہ یہ سب کچھ پابندیِ مذہب کی وجہ سے تھا اور آج مذہب کی پابندی نہ کی جاکر ایک طرف تو قوم خود کشی کی مرتکب ہو رہی ہے۔ اور غیور و خود دار قوم کی تعریف میں نہیں آتی۔ صرف — جمعۃ الوداع کے نکالے، عید کو نئے ملبوسات قوم کو قوم بنا سکتے ہیں اور نہ رمضان المبارک کے فیوض و برکات سے مستفید کر سکتے ہیں گویا علامہ کا کہنا ہے کہ تم تو انفا میں اتفاق ایمان و مذہب کی پابندی سے محروم ہوکر ملبوسات خریدتے اور خواہشات کی تکمیل سے محروم رہتے ہو اور اسلاف اس متبرک ماہ کی برکت سے گلستاں بکنار ہوتے تھے یعنی جنت خریدتے تھے۔ علامہ ان خیالات کو یوں ظاہر فرماتے ہیں:-

خودکشی شیوہ تمہارا وہ غیور و خود دار ٭ تم اخوت سے گریزاں وہ اخوت پہ نثار
تم ہو گفتار سراپا وہ سراپا کردار ٭ تم ترستے ہو کلی کو وہ گلستاں بکنار

روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں حضوری خدا کا احساس و تصور ہر روزہ دار کو ضروری ہے صرف کھانا پینا چھوڑ دینے کی حد تک حضورِ خداوندی کا تصور اور اگر گناہ کے سرزد ہونے کی حد تک تصور نہ رہے تو آنحضرت صلعم کا فرمان ہے کہ اگر کوئی کھانا پینا چھوڑ دے اور دیگر

برائیوں سے پرہیز نہ کرے تو خدا کو اس بات کی ضرورت نہیں کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے۔

بہرحال ماہِ رمضان کا متبرک ماہ مسلمان کے کردار کی پختگی کو دعوت دینے اور انہیں مستحکم کرنے ہر سال آتا ہے اور جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے اس ماہ میں چار ارکان اسلام کی یہ وقت واحد تکمیل ہوتی ہے پھر پانچویں رکن حج کی تیاری رمضان کے گزرنے کے بعد ہی سے شروع ہو کر ذالحجہ میں تکمیل کو پہونچتی ہے۔ اگر کردار کی پختگی اور یقینِ محکم کے ساتھ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام کے تحت ارکانِ اسلام ادا نہ کئے جائیں اور ان کا حقیقی حق اُن کو نہ دیا جائے تو علامہ اسلاف سے ہمارا یوں تقابل فرماتے ہیں:۔

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے ٭ وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج ٭ یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

رمضان میں تراویحوں میں اور عام طور پر قرآن مسلمان سنتا اور پڑھتا ہے۔ علامہ کا ایقان ہے کہ صرف قرآن پڑھنے اور سننے سے کام نہیں بنتا۔ ان پر عمل پیرا ہونے سے ہی مسلمان، مسلمان کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو سکتا ہے اور مجسم قرآن بن کر آسمانوں پر پرواز کر سکتا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن ٭ قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآں

رمضان میں جو لوگ تراویح صرف تکمیلِ بحث کیلئے پڑھتے ہیں۔ امام کے رکوع میں جانے تک بیٹھے رہ کر رکوع میں جاتے وقت رکعت باندھ کر شریک ہو جاتے ہیں علامہ انکے بارے میں فرماتے ہیں۔

ترا نیاز نہیں آشنائے ناز ابتک ٭ کہ ہے قیام سے خالی تری نماز ابتک

رمضان میں مسلمان جو روحانی کیفیت فیض سے مستفید ہونے کے بجائے ملبوسات کی خرید و فروخت، حریس و حلیم، اونٹ کے گوشت اور مختلف لذات و خواہشات کا شکار ہو کر گم ہو جاتے ہیں تو علامہ فرماتے ہیں:۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے ٭ مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق
یہ کافری تو نہیں کافری سے کم بھی نہیں ٭ کہ مردِ حق ہو گرفتارِ حاضر و موجود

ہلال عید الفطر اور مسلمان

ایسے مسلمانوں کے لئے ہلال عید علامہ کے نقطۂ نظر سے بظاہر خوشی مگر دراصل روحانی افلاس اور ناداری کا پیام ہے، فرماتے ہیں۔

غرہ شوال! اے نورِ نگاہِ روزہ دار ٭ آ کہ تھے تیرے لئے مسلم سراپا انتظار

تیری پیشانی پہ تحریرِ پیامِ عید ہے ٭ شام تیری کیا ہے صبحِ عیش کی تمہید ہے
سرگزشتِ ملتِ بیضا کا تو آئینہ ہے ٭ اے مہِ نو ہم کو تجھ سے الفتِ دیرینہ ہے

پھر علامہ اپنی قوم کے ایمان کردار کی پختگی قوم کو مالی و روحانی معاشی و قلبی افلاس میں
دیکھ کر ہلالِ عید سے یوں گویا ہیں:۔

اوجِ گردوں سے ذرا دنیا کی بستی دیکھ لے ٭ اپنی رفعت سے ہمارے گھر کی پستی دیکھ لے
قافلے دیکھ اور انکی برق رفتاری بھی دیکھ ٭ رہروِ درماندہ کی منزل سے بیزاری بھی دیکھ
دیکھ کر تجھ کو افق پر ہم لٹاتے تھے گہر ٭ اے تہی ساغر ہماری آج ناداری بھی دیکھ

علامہ کی مراد ناداری سے معاشی افلاس کے علاوہ روحانی اور قلبی افلاس ہے
عید کا ہلال دیکھ کر علامہ مسلمانوں کے آپسی نفاق اور فرقہ آرائی سے نمناک ہو کر
ہلالِ عید سے مخاطب ہیں کہ اے ہلالِ عید دنیا کو علم سے بہرہ ور کرنے والی قوم اور لطفِ
تکلم سے آشنا کرنے والی اُمت آج کیسی بے زبان ہو گئی اور جو بے زبان تھے آج
کس طرح گرم گفتاری کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

جس کو ہم نے آشنا لطفِ تکلم سے کیا ٭ اس حریفِ بے زباں کی گرم گفتاری بھی دیکھ
بارشِ سنگِ حوادث کا تماشائی بھی ہو ٭ اُمتِ مرحومہ کی آئینہ دیواری بھی دیکھ
صورتِ آئینہ سب کچھ دیکھ اور خاموش رہ ٭ شورشِ امروز میں محوِ سرودِ دوش رہ

علامہ اقبال سب کچھ کہہ کر قوم کو قنوطیت کے غار میں ڈھکیل نہیں دیتے بلکہ نسخہ
شفا بھی تجویز فرماتے ہیں۔

بتاؤں تجھ کو مسلماں کی زندگی کیا ہے ٭ یہ ہے نہایتِ اندیشہ و کمالِ جنوں
کھو یا نہ جا صنم کدۂ کائنات میں ٭ محفل گداز گرمیِ محفل نہ کر قبول

آخری نصیحت علامہ یہ فرماتے ہیں۔

اے روزہ دار تو احکام محمدیؐ کی تعمیل میں روزہ رہ اور شریعت
محمدیؐ سے وفا کر تو لوح و قلم تیرے ہیں یعنی اللہ پاک کی زبان میں

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

فلسفۂ حج اور علامہ اقبال

حج اسلام کا پانچواں رکن ہے یوں کہا جائے کہ یہ یونیورسٹی آف اسلام کی آخری ڈگری ہے جو مسلمان کو ڈاکٹر آف اسلام بنا دیتی ہے تو سو فیصد بجا اور درست ہوگا۔ دنیوی تعلیم کے لئے کے، جی سے پرائمری پھر مڈل اسکول اور ہائی اسکول کی منزلیں طے کر کے کالج میں داخلہ لیا گریجویٹ پھر پوسٹ گریجویٹ بن کر ایک پروفیسر کا سہارا لیکر اور اس کا دامن تھام کے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنا کسقدر دشوار اور دقت طلب ہوتا ہے اس سے زائد دشوار دینی ڈگری کا حصول ہوتا ہے مگر آجکل اس کو حاصل کرنا بڑا آسان سمجھ لیا گیا ہے۔ جیسا کہ فلسفۂ لا الٰہ الا اللہ میں کہا گیا ہے۔ لا کی منزل کو طے کرنا الا اللہ کی منزل پر پہونچ جانا کسقدر مشکل ہے۔
یہ دشوار منزلیں عملی طور پر طے کئے بغیر مسلمان مسلمان نہیں بن سکتا گویا لا الٰہ الا اللہ کی خود ایک یونیورسٹی ہے جہاں وحدانیت کا کورس تکمیل کر کے یہ ثابت کرنا پڑتا ہے کہ توحید در حقیقت بقول علامہ اقبال ایک زندہ قوت ہے اور

روشن اس ضو سے اگر ظلمت کردار نہ ہو ؛ خود مسلمان سے پوشیدہ ہے مسلماں کا مقام

جب اس منزل سے بھی مومن کامیابی سے گذر جاتا ہے یعنی اس یونیورسٹی کا کورس کامیاب کر لیتا ہے تو یونیورسٹی آف نمازیں قائم رکھ کر مزید عبدیت کے تقاضوں کے کورس کی تکمیل کرنی پڑتی ہے پھر مسلمان کو وہ سجدہ نصیب ہونے کی سعی کرنی پڑتی ہے کہ

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام ؛ کہ ہو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام

پھر حضوری قلب کی عملی تعلیم مومن کو "دل بینا" عطا فرماتی ہے اس نماز یونیورسٹی سے ایک مومن خدا کا ایک عاجز و فرمابردار عبد کامل اور دنیوی معاملات میں ایک سچا انسان متاع کردار کے زیور سے آراستہ ہو کر نکلتا ہے۔ ایک طرف یہ نمازی اللہ کے حقوق ادا کرنا سیکھ جاتا ہے تو دوسری جانب اس کے بندوں کے حقوق کی بھی ادائی اسکا شیوہ زندگی بن جاتی ہے اور ایسا مومن قرآن کی اس آیۂ شریفہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَر (نماز فحش بے ہودہ باتوں ناشائستہ حرکات اور بے حیائی اور خدا کے منع کئے ہوئے امور سے روکتی ہے) کی تفسیر بن کر دنیا کے سامنے ایک چمک موتی بن کر آتا ہے پھر نمازوں میں وہ لذت ذریعہ قرآن حاصل کرتا ہے کہ عملی انداز سے اسکی زندگی بقول حضرت علامہ اقبال کے اس شعر کی تفسیر بن جاتی ہے:-

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن ؛ قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

پھر بھوک پیاس اور خواہشات نفسانی کو اللہ کے لئے کچل دینے کی منزل میں جب آتا ہے تو اس کو یونیورسٹی آف روزہ واقع شہر رمضان میں داخل ہو کر سند حاصل کرنی پڑتی ہے۔ پھر اللہ کے نام پہ مال بنام زکوٰۃ اور صدقہ دینے کی سند لیکر یہ ثبوت دینا پڑتا ہے کہ مومن کے لئے اللہ کے سامنے مال کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ نماز برائیوں سے روکتی ہے تو روزہ مومن کو متقی بنا دیتا اور زکوٰۃ یونیورسٹی اللہ کے لئے مال کو قربان کر دینے کے نصاب کی تکمیل کرواتی ہے۔ آخری یا چوتھی ڈگری حج یونیورسٹی آف کعبہ سے حاصل کی جاتی ہے اس کو اگر مسلمان طواف حج کا ہنگامہ دھاگہ دوڑ سمجھ کر حاجی بن جانا تصور کرتا ہے تو یہ اسکی بھاری بھول ہے یہ دراصل عشق الٰہیہ کی امتحان کی آخری منزل یا آخری ڈگری ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت بی بی ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے حاصل فرمائی تھی

توڑ دیتا ہے بت ہستی کو ابراہیم عشق ؛؛ ہوش کا دارو ہے گویا ہستی تسنیم عشق
اگر ہو عشق، تو ہے کفر بھی مسلمانی ؛؛ نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق!

جب ایک شاہین مردہ شئے کو شکار نہیں سمجھتا اور نہ اپنی شایانِ شان سمجھتا ہے تو اگر کوئی دل مردہ لیکر حج کو جائے کہ یہ دل مردہ پیش (بہ درگاہ) ایزدی کرے تو اللہ پاک کیا اسکو قبول فرما سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں

نگاہِ عشق دلِ زندہ کی تلاش میں ہے ؛؛ شکارِ مردہ سزاوارِ شاہباز نہیں

یہی وجہ ہے کہ دیکھنے کو تو حاجیوں کی تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے مگر دلِ زندہ رکھنے والے حاجیوں سے تو کعبہ خالی ہی نظر آتا ہے علامہ کہتے ہیں۔

اے مسلماں! اپنے دل سے پوچھ مُلا سے نہ پوچھ ؛؛ ہو گیا اللہ کے بندوں سے کیوں خالی حرم

جس دل میں عشق الٰہی نہ ہو وہ درحقیقت بلاشبہ مردہ ہے۔

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم ؛؛ عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوزِ دمبدم
آدمی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق ؛؛ شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحر
اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک ؛؛ اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم!!
مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحبِ فروغ ؛؛ عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام

"عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام" کی تفصیل میں مقدس ہستیاں حضرت ابراہیم علیہ السلام بی بی ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں کہ صدہا صدیوں کے بعد بھی زندہ ہیں اور موت ہے ان پر حرام۔ ان پاک ہستیوں کا عشق اللہ پاک کو ایسا بھایا کہ قیامت تک ان کے حرکات کو بقا کا جامہ پہنا دیا اور ان کو زندہ جاوید بنا دیا۔

عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفٰے ؛ عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام !
عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گِل تابناک ؛ عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کاس الکرام !
عشق فقیہِ حرم، عشق امیرِ جنود ؛ عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام !
عشق کے مضراب سے نغمۂ تارِ حیات ؛ عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات !

عشق کی ثریا سے بھی اونچی چوٹی پر جب حضرت ابراہیمؑ بی بی ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے قدم رکھا تو ہر ایک عشقِ الٰہیہ کی مستی میں ایسے بے خود تھے کہ مٹ جانے کے ظاہرا اسباب تھے۔ کمزور عورت، معصوم بچہ، خوفناک، بے آب و گیاہ ریگستان اور حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ۔ ایک طرف نارِ نمرود اور حضرت ابراہیمؑ، ایک طرف حکمِ قربانیٔ فرزند اور باپ اور بیٹے عشقِ الٰہیہ میں محو، اور احکامِ الٰہی کی تعمیل و تکمیل کے لئے سراپا حاضر۔ اسبابِ فنا کے مگر عشق کی قوت کہ: —

خاک کے ڈھیر کو اکسیر بنا دیتی ہے ؛ وہ اثر رکھتی ہے خاکسترِ پروانۂ دل

عشق کے دام میں پھنس کر یہ رہا
ابرِ رحمت تھا کہ تھی عشق کی
عشق بلند مآل ہے، رسم
بہرحال حج سے مراد ہے عشق اور قر
کے مطابق کر گذرنے تیار ہو جائے
مسلمان یہ سمجھ لے کہ فریضۂ حج ہے
اور خون اللہ پاک تک نہیں پہو
قربانیٔ ذبیحہ کے وقت یہ تصور و عہد کہ
عشق و محبت میں قربان کرتے رہیں گے، یہی مقصد
اور حاجی آشنا ہو جائے تو مقصدِ حج ہی نہیں، مقصدِ حیات کی تکمیل
الحاج کی جگہ گھر ہی اور باہر کا سامان لانا ہو جائے تو ایسے حج کے بارے میں علامہ فرماتے ہیں: —

نماز و روزہ و قربانی و حج ؛ یہ سب باقی ہیں، تو باقی نہیں ہے
ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا ؛ کند ہو کر رہ گئی مومن کی تیغِ بے نیام

———

علامہ اقبال مسلمان اور قرآن

قرآن پاک کے بارے میں علامہ اقبال اپنی معرکۃ الآرا کتاب رموز بے خودی میں " قرآن حکیم ملت محمدیہ کا آئین ہے " پر (۲۴) اشعار لکھے ہیں ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔

آں کتاب زندہ قرآن حکیم ⁞ حکمت او لایزال است و قدیم
نسخۂ اسرار تکوین حیات ⁞ بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
نوع انساں را پیام آخرین ⁞ حامل او رحمۃ العالمین ؐ

یعنی حکمت والی کتاب بلاشبہ قرآن پاک ہے جو ایک زندہ کتاب ہے، اس مقدس کتاب کی حکمت قدیم لازوال ہے یہ کتاب حکیم کی حیثیت رکھتی ہے روحانی بیماریوں کو دور کرنے کے نسخہ جات اور زندگی کو سنوارنے کے اسرار اس قرآن حکیم کے سینے میں پوشیدہ ہیں۔ بے ثبات لوگ اس سے قوت اور ثبات حاصل کرتے ہیں۔ یہ کتاب نوع انسان کے لئے پیام آخرین ہے اور محمد ؐ مصطفیٰ رحمۃ اللعالمین ؐ نے نوع انسان کو یہ بیش بہا تحفہ آخرین عطا فرمایا ہے۔ پھر علامہ جاویدنامہ میں فرماتے ہیں۔

اے خوشا عمرے کہ رفت اندر نیاز ⁞ خلوت و شمشیر، قرآن و نماز

ترجمہ :- خوش نصیب ہے وہ عمر جو کہ تنہائی شمشیر قرآن اور نماز کو اپنائے ہوئے تلوار کو ہاتھ میں لئے نام حق جگانے جہالت کو مٹانے اور قرآن کی روشنی سے اپنے اور دنیا کے سینوں کو منور کرنے اور نماز کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک بنانے میں گذر گئی۔ جاویدنامہ میں اور آگے یوں تشریح کرتے ہیں :-

گفت اگر از راز من داری خبر ⁞ سوئے ایں شمشیر و ایں قرآں نگر
ایں دو قوت حافظ یکدیگر اند ⁞ کائنات زندگی را محور اند!
وقت رخصت با تو دارم ایں سخن ⁞ تیغ و قرآں را جدا از من مکن

ترجمہ :- کہا اگر تو میرے راز سے با خبر رہنا چاہتا ہے تو میرا راز یہی ہے کہ اس شمشیر اور اس قرآن پر سے نظریں نہ ہٹائے۔ (۲) یہ دو ایسی طاقتیں ہیں جو ایک دوسرے کی محافظ ہیں۔ کائنات زندگی تو بس اسی محور پر گھوم رہی ہے۔ (۳) میں رخصت ہونے کے پہلے میں تجھے یہ وصیت کرتا ہوں کہ کبھی تلوار اور قرآن کو اپنے سے جدا نہ کرنا۔ علامہ اپنی معروف کتاب " مسافر " میں فرماتے ہیں

صد جہاں باقیست در قرآں ہنوز ⁞ اندر آیاتش یکے خود را بسوز

ترجمہ :- ابھی قرآن میں سینکڑوں جہاں باقی ہیں۔ اے مومن اسکا تجھے پتہ لگانا ہے تو قرآن کی آیات میں سے ہر ایک کے اندر خود کو گم کر دے تاکہ پتہ لگا سکے اور سینکڑوں جہاں اپنے

قبضہ میں لے سکے۔

قرآن کے مقامات اعلیٰ اور اسکی افادیت اور فیض حکمت اور اسکی ضرورت پر روشنی ڈالنے کے بعد علامہ ہمارا اور اسلاف کا قرآن کے تعلق سے بانگ درا میں تقابل کرتے ہیں کہ:-

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر ∴ اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہوکر

قرآن کو چھوڑ دینے یعنی آئین قرآن پر عمل نہ کرنے کا انجام دیکھ لیا کہ ذلیل و خوار ہو گئے پھر رموز بے خودی میں فرماتے ہیں:-

گر تو می خواہی مسلماں زیستن ∴ نیست ممکن جز بقرآں زیستن

تو ہمی دانی کہ آئین تو چیست؟ ∴ زیر گردوں سر تمکین تو چیست؟

اے گرفتار رسوم ایمان تو ∴ شیوہ ہائے کافری زندان تو

ترجمہ:- اے مسلمان! اگر تو چاہتا ہے کہ مسلماں کی طرح زندہ رہے تو یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ تو قرآن کی تعلیمات کو شیوۂ حیات بنائے (۲) تو خود جانتا ہے کہ تیرا آئین تیرا قانون تیرا دستور کیا ہے اور آسمان کے زیر سایہ تیری شان و شوکت و دبدبہ اور باعزت زندگی گزارنے کا راز کیا ہے یعنی قرآنِ حکیم کے آئین پر عمل آوری ہی تجھے مرتبہ اور زور و طاقت سے ہمکنار کر سکتی ہے (۳) مگر افسوس اے مسلماں تو تو رسوم، رسم و رواج کا قیدی بن چکا ہے۔ اور شیوۂ ہائے کافری کے قید خانے میں تو قید ہے اور تیرا ایمان بھی:-

پھر جاوید نامہ میں فرماتے ہیں: —

خالصہ شمشیر و قرآں را ببرد ∴ اندراں کشور مسلمانی بمرد

پنجاب کے سکھ تو تلوار اور قرآن لیکر چلتے بنے اور ہندوستان کی سلطنت میں گویا مسلمان مردہ ہوکر رہ گیا پھر رموزِ بے خودی میں فرماتے ہیں۔

ملتے را رفت چوں آئیں ز دست ∴ مثل خاک اجزائے او از ہم شکست

ہستیٔ مسلم ز آئین است و بس ∴ باطنِ دین نبیؐ این است و بس

برگِ گل شد چوں ز آئیں بستہ شد ∴ گل ز آئیں بستہ شد گلدستہ شد

ترجمہ:- (۱) جب آئین و دستور قرآن ملت کے ہاتھوں سے جاتا رہا تو ملت بھی جاتی رہی اور اسکے اجزا خاک کی مثال بن کر درہم برہم اور منتشر ہو گئے۔ (۲) مسلم کی ہستی کی بقا کا صرف آئین قرآن ہی پر انحصار ہے نبی محمد مصطفےٰ صلعم کے دین کا باطن دستور قرآن ہی میں مستور ہے۔

والی جب پھول کی پنکھڑی اک ۔ آئین کے تحت ایک دوسرے سے وابستہ رہتی ہے تو پھول پھول کہلاتا ہے ۔ اور گلدستہ کا نکھار پیش کرتا ہے، یہہ مثال دیکر علامہ سمجھا رہے ہیں کہ آئین قرآن کے تحت مسلمان بھی والبعۃ اور متحد رہیں تو اپنی بہار دکھا سکتے ہیں ۔ پھر علامہ فرماتے ہیں ۔

صوفی پشمینہ پوشِ حال مست ⁝ از شرابِ نغمۂ قوال مست
آتش از شعرِ عراقی در دلش ⁝ در نمی سازد بقرآں محفلش
واعظ داستان زن افسانہ بند ⁝ معنیٔ او پست و حرفِ او بلند
از خطیب و دیلمی گفتارِ او ⁝ با ضعیف و شاذ و مرسل کارِ او

یعنی عام مسلمانوں کا تو ذکر ہی کیا صوفی واعظ خطیب سب نے ایک عجیب رنگ اختیار کر رکھا ہے صوفی خرقہ پوش تو اپنے حال میں مست ہے اور نغمۂ قوال کی شراب نے اسکو مست بنا رکھا ہے عراقی کے اشعار تو اسکے دل میں آگ لگا رہے ہیں، اسکی محفل میں قرآن حکیم کے نغموں کیلئے جگہ ہی کہاں ہے اب رہے واعظان کا یہہ حال ہے کہ ان کے مواعظ افسانوں کی طرح مست رنگین ہوتے ہیں ان کے مواعظ میں الفاظ کی شان و شوکت تو بہت ہوتی ہے مگر بہ اعتبار معنی یہہ مواعظ بہت پست ہوتے ہیں یعنی جیسا کہ بانگِ درا میں علامہ اقبال نے کہا ہے ع ۔ فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالی نہ رہی ۔ کا مصداق یہہ واعظ کے مواعظ بنے ہوئے ہیں اور خطیب و دیلمی تو ضعیف اور شاذ (وہ حدیث جو ثقات کی روایت کے خلاف ہو) کی حدیثوں میں کھو گیا ہے اور قرآن کا یہہ حال بنا دیا ہے کہ

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں ⁝ اس درجہ ہوئے خرمانِ حرم بے توفیق
قرآن کو بازیچۂ اطفال بنا کر ⁝ چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد

اور عام مسلمان کا یہہ حال ہے کہ جیسا کہ علامہ ارمغانِ حجاز میں فرماتے ہیں ۔

بہ بندِ صوفی و ملا اسیری ⁝ حیات از حکمت قرآں نگیری

عام مسلمان تو بس صوفی اور ملا کی قید میں ہیں وہ ان کے خیالات کی چکر میں رہتے ہیں کسطرح اپنی حیات کو قرآن کی حکمت سے سنوار سکتے ہیں ۔ پھر فرماتے ہیں ۔

ز رازی معنیٔ قرآں چہ پرسی ⁝ ضمیرِ ما بآیاتش دلیل است

اے مسلمان تو امام رازی سے قرآن کا مطلب کیا پوچھتا ہے اس کے آیات کو سمجھنے کیلئے ہمارا ضمیر کافی ہے ۔ پھر علامہ مسلمان کی حالتِ زار پر آنسو بہاتے ہیں اور قرآن سے اس کے تعلق اور مسلمانوں کی بدنصیبی کو یوں بیان فرماتے ہیں ۔

بآیاتش ترا کارے جز این نیست :. کہ از یٰسین او آسان بمیری

اے مسلمان قرآن کی آیات سے تجھے صرف اسقدر سروکار باقی رہ گیا ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ سورہ یٰسین مرتے وقت پڑھا جائے کہ سن کر آسانی سے مر سکے۔
کس قدر افسوس ہے کہ

برہمن از بتاں طاق خود آراست :. تو قرآں را سر طاقے نہادی

برہمن نے اپنے محراب کو بتوں سے آراستہ کر رکھا ہے اور تو نے قرآن کو غلاف و جزدان میں رکھ کر طاق کی زینت بنا دی ہے۔

آخری نصیحت علامہ یہہ فرماتے ہیں کہ قرآن پڑھ نہیں بلکہ قرآن میں ڈوب جا اور قرآن پڑھ تو اس طرح کہ اس کے معنی و مطالب و احکام سمجھ کر اس طرح عمل کر کہ تو مجسم قرآن بن جائے چنانچہ علامہ اقبال "ضرب کلیم" میں فرماتے ہیں :۔

یہہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن :. قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

لہذا

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں :. اللہ کرے تجھ کو عطا جدتِ کردار

جو حرف "قل العفو" میں پوشیدہ ہے اب تک :. اس دور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار